دل لہو سے بھر گیا

مسعود تنہا

دل لہو سے بھر گیا

صبحِ کاذب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیرؔ
ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا

(منیرؔ نیازی)

مسعود تنہا

مغل پبلشنگ ہاؤس لاہور
نشتر کالونی فیروز پور روڈ، لاہور
0092-300-4683760
E-mail: *fozia_mughal22@yahoo.com*

زیر اہتمام حاجی شریف احمد ایجوکیشنل اینڈ لٹریری اکیڈمی (جرمنی)

کتاب	دل لہو سے بھر گیا
شاعر	مسعود تنہا
اشاعت اول	جولائی 2009ء
قیمت	120 روپے (15 امریکی ڈالر)
اہتمام	شہزاد ارمان (جرمنی)
تزئین	ثمن شاہ (فرانس) ارم بتول (جرمنی)
ٹائٹل	عبید اللہ
کمپوزنگ	عظیم گرافک اینڈ کمپوزنگ سنٹر، لاہور
مطبوعہ	مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور
ناشر	فوزیہ مغل (مغل پبلشنگ ہاؤس لاہور)

cell: 0092 3004683760

E-mail: *fozia_mughal22@yahoo.com*

ملنے کا پتہ:

ثاقب پبلشرز اینڈ بک سیلرز

ملک تھیٹر، داتا دربار چوک، لاہور

0333-4953940, 0322-4134373
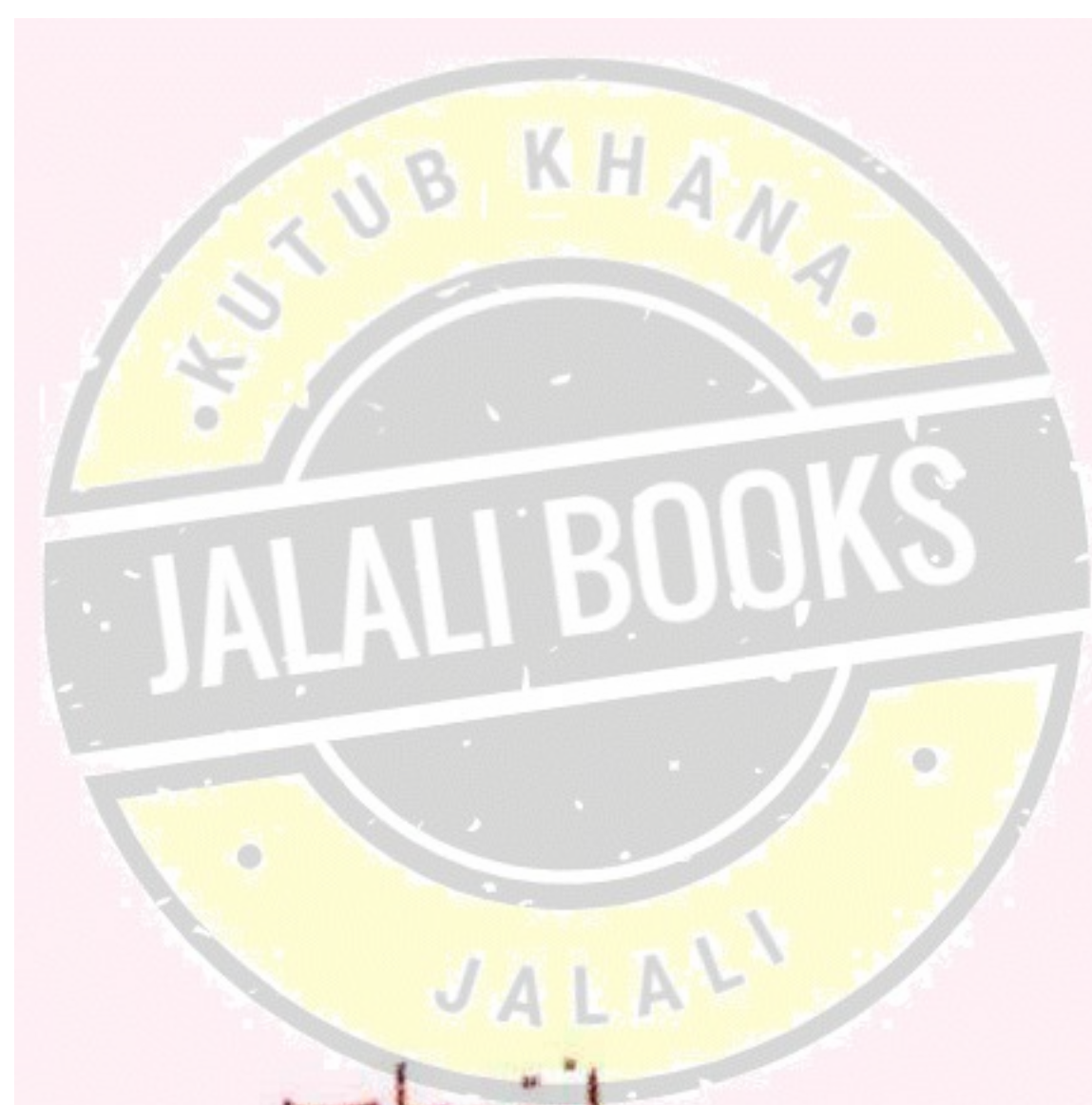
انتساب

انہی کے نام

اظہار تشکر

میں محترم حنیف احمد کامران صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جنہوں نے میری کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں خصوصی توجہ دی۔

مسعود تنہا
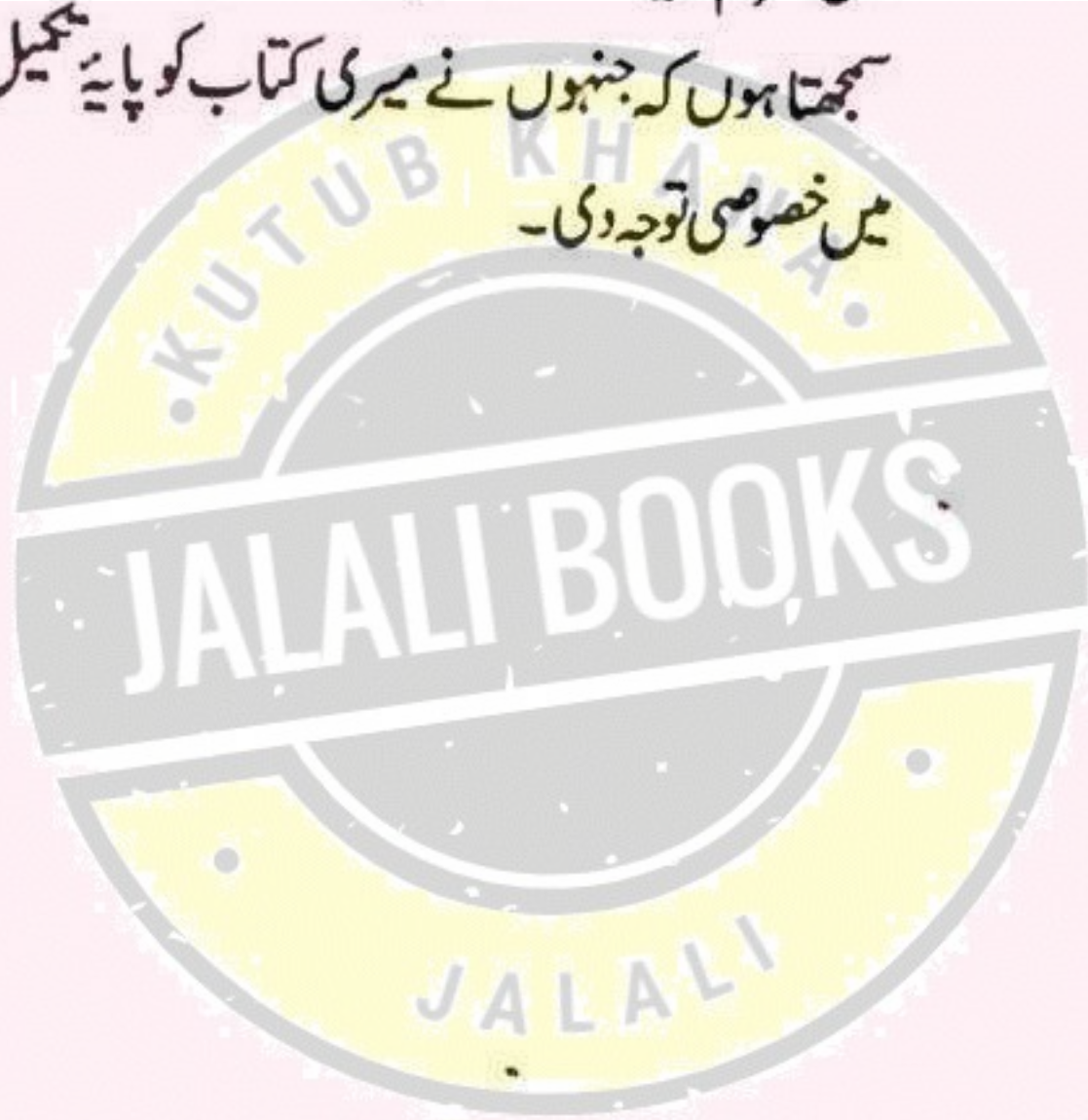
رابطہ:
مسعود تنہا
سرکلر روڈ، ساہیوال، ضلع سرگودھا
0092-345-6068166

ترتیب

مسعود تنہاؔ اور اس کی غزل

شعر کا تعلق صرف شعر کہنے والے کی ذات یا جذبات سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کا بہت گوڑھا تعلق شعر پڑھنے والے کے جذبات و احساسات سے بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے ایک شعر پڑھ کر ایک شخص سر دھننے لگے جبکہ وہی شعر کوئی دوسرا شخص پڑھنے کے بعد "منہ بچوڑ" لے شعر تو ایک ہی ہے لیکن دو سوچوں اور دو محسوسات کے الگ الگ ہونے نے اس کے اثر اور اس کی فکری اُپج کو بدل دیا۔
ہمارے پاس ایک مشہور مثال ہے کہ

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جیسے شعر کو غالبؔ پڑھتا ہے تو بدلے میں اپنا دیوان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جبکہ اسی شعر کو سیکڑوں قارئین پڑھ کر ایک عام قسم کے شعر سے بڑھ کر اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ کیونکہ اُن کے جذبات اور سوچ پر یہ شعر کوئی تاثر نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا کسی بھی شاعر کی شعری تخلیق پر فیصلہ صادر فرمانے سے پہلے اپنی پسند یا ناپسند پر غور کرنا اور دوسرے کی پسند ناپسند کا تصور ذہن میں قائم کرنا بھی ضروری ہے اور ایسا ہی میں نے مسعود تنہاؔ کے اشعار کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں ایک خیال [illegible] امید میں قارئین سے بھی رکھتا ہوں۔

میرا تعلق ایک عرصے سے مسعود تنہاؔ کے ساتھ ہے۔ مجھے یہ چھوٹا سا شخص اندر سے بہت بڑا لگا اتنا بڑا کہ میں خود اس کے مقابلے میں چھوٹا محسوس کرنے لگا۔

کئی سال پہلے جب اس شخص سے میری ملاقات ہوئی تھی اور مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص پندرہ روزہ "گلِ حنا" کا ایڈیٹر ہے شعر کہتا ہے کالم لکھتا ہے نثر میں طبع آزمائی کرتا ہے تو مجھے یقین نہیں آیا بلکہ میں نے دل میں سوچا کہ یہ کسی سکول کا طالب علم اتنے سارے کام کیسے کر لیتا ہے۔ لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ کیونکہ یہ سکول کا طالب علم نہیں تھا بلکہ کالج میں بھی چند سال گزار کر اپنی

حیثیت اور استطاعت کے مطابق فارغ التحصیل ہو چکا تھا اور یہ سب کام واقعی اس کے کریڈٹ میں تھے۔ پھر جب چند مہینوں بعد ہی ادبی رسالہ ''فکر'' اس کی ادارت میں شائع ہوا تو مجھے کچھ کچھ یقین آنے لگا کیونکہ مجھے علم ہے کہ ادبی رسالہ نکالنا بچوں کا کھیل نہیں فکر جاری ہی تھا کہ ہفت روزہ اخبار ''ساہو'' اس کی ادارت میں جاری ہو گیا۔ کے بعد دیگرے یہ کامیابیاں جہاں مسعود تنہا کے عزم، حوصلے اور کام سے لگن کے حوالے سے میرے ذہن پر ثبت ہو رہی تھیں وہاں میں یہ سوچنے پر بھی مجبور تھا کہ مسعود حقیقت میں تنہا نہیں بلکہ بقول شخصے

تنہا روی پسند نہیں مجھ کو بھی مگر
تو خود بھٹک رہا ہے ترے ساتھ کیا چلوں

جیسے رویے اور فکر نے اسے تنہا رہنے پر آمادہ کر رکھا ہے اور پھر اپنے انھیں احساسات کو اس نے لفظ کا جامہ پہنا کر تخلص کے طور پر استعمال کر لیا ہے۔

ساہیوال ضلع سرگودھا کا باسی کھلی اور پوتر فضاؤں میں پل کر بڑا ہونے والا، روایات کو چھاتی سے لگا کر اٹھنے والا، گاؤں کے پُر خلوص اور محبت بھرے ماحول میں پروان چڑھنے والا مسعود تنہا اپنے سے بڑی سوچوں کو پال کر اور آگے بڑھنے کے خیال میں شاید تنہا ہو کر رہ گیا ہے اور ایسے تاثرات ہی اس کے چہرے بشرے سے ظاہر ہونے لگے وہ شاید انھیں حالات کے سبب کم گو ہے۔ کیونکہ وہ سامنے دور اور اوپر خلاؤں میں دیکھنے کا عادی ہے۔ اس کا اپنا نظریہ ہے کہ وہ سوچتا ضرور ہے لیکن یہ نہیں کہ وہ ہمت یا جرأت نہیں رکھتا اس میں آواز اٹھانے کی طاقت اور حوصلہ ہے۔ ممکن ہے کوئی مصلحت اس کے آڑے ہو لیکن اس کے کہنے سے ہم اس کی ہمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

چپ جو رہتے ہیں تو یہ بات غنیمت جانو
ورنہ ہم لوگ بھی آواز اٹھا سکتے ہیں

....

ہم بغاوت پہ اتر آئیں جو تنہا سائیں
کج کلاہوں کے سروں کو بھی جھکا سکتے ہیں

آواز اٹھانے کی بات الگ، مگر وہ اس سے بہت آگے سوچتا ہے۔ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ ہم دیہاتوں کے لوگ ہی کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں ہم محبت و یگانگت کے رشتوں میں بندھے لوگ ہی

اپنے ماحول میں رہ کر کیوں وہ مقام حاصل نہیں کر سکتے ہیں جو شہروں میں رہنے والے کر لیتے ہیں یا شہروں کو مسکن بنانے والے پا لیتے ہیں۔ آخر ہم میں کیا کمی ہے اور پھر اس کمی کو عملاً پورا کرتے اور دیکھنے کے لیے اس نے لاہور کا رخ کیا پھر تھوڑے ہی عرصے میں اس نے دیکھ لیا کہ واقعی شہروں میں آ کر بسنے والے وہ سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ جسے حاصل کرنے میں دیہاتوں کے بیٹھے لوگ ایک زندگی گزار دیتے ہیں۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بہت کم عرصے میں وہ مواقع پیدا کر لیے کہ آج ''دل لہو سے بھر گیا'' جیسا خوبصورت شعری مجموعہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

مسعود تنہا شاید ساہیوال میں رہتے ہوئے اتنا جلدی یہ سب کچھ نہ کر پاتا اور اب وہ اپنی ہمت سے پرواز کر رہا ہے اسے پر تولنے میں واقعی اپنی سوچ سے بہت کم وقت لگا یہ الگ بات کہ اس نے شعری ضرورت کے تحت یہ لکھ دیا کہ

اب اڑوں گا میں اپنی ہمت سے
لگ گئے ہیں مجھے زمانے، پر

مسعود تنہا دیس کو چھوڑ کر پردیسی تو ہو گیا لیکن اس کے اندر سے ساہیوال کی مٹی کا اثر نہیں گیا وہ اپنی جنم بھومی کو نہ بھولا ہے نہ بھولنا چاہتا ہے اور اس کا اظہار وہ اپنے اشعار میں بھی کرتا رہتا ہے۔

جو تیری بستی ہے اس کو دیدہ ور مت بھولنا
اپنی مٹی، اپنے موسم، اپنا گھر مت بھولنا

....

ہوش اتنا چاہیے اے جذبۂ جوشِ جنوں
اپنے کوچے کے کبھی دیوار و در مت بھولنا

ہمارے ہاں غزل ایک مضبوط صنف سخن ہے۔ اس پر کئی الزامات لگائے گئے اور اسے ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہیئت کی کئی تبدیلیاں اسی غرض کے لیے گئیں کہ شاید یوں یہ صنف تنزل کا شکار ہو جائے لیکن یہ آج تک اپنے پورے قد سے کھڑی ہے۔ غزل کی بنیاد محبت کے موضوعات ہیں۔ مسعود تنہا بھی غزل کا شاعر ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس صنف شاعری پر ابتدا سے ہی عشق و محبت کا

موضوع غالب رہا ہے بقول غالبؔ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

غزل اپنے اسلوب اور رعنائی میں اس وقت تک ادھوری رہتی ہے جب تک محبت اور اس کے تلازمات کو نہ برتا جائے۔ اگرچہ غزل میں تمام موضوعات کو سمونے اور سمیٹنے کی وسعت ہے لیکن بنیادی موضوع بہر حال اپنی اہمیت کا حامل ہے۔

دراصل غزل کا آغاز عربی قصیدے کی تشبیب سے ہوا عربی میں چونکہ غزل کا علیحدہ وجود نہیں تھا۔ قصیدہ کی ابتدا عشقیہ اشعار سے ہوتی تھی اور اسے عربی میں تشبیب کہتے ہیں تشبیب کے معانی ہیں شباب اور متعلقات شباب کے بارے بات چیت۔ لہٰذا قصیدہ کے اسی حصہ کو غزل کہا جانے لگا فارسی میں تشبیب کو قصیدے سے الگ کر کے غزل کا نام دے دیا گیا۔ اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ مسعود تنہاؔ کی غزل کو پڑھتے ہوئے ہم خود کو غزل کا قاری سمجھتے ہیں وہ غزل جس میں روایات کا ساتھ دیا گیا ہے اس پورے مجموعے میں اشعار کی اکثریت شباب اور متعلقات شباب، محبت اور موضوعات محبت نیز تلازمات محبت کے بارے ہے جس میں ہمیں پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کی کہی گئی اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ ''غزل'' محبوب کی تعریف ہوتی ہے۔ اور ذکر عشق بھی ہوتا ہے لیکن شاعر یہ تعریف و توصیف اور ذکر، عجز و انکسار کے ساتھ کرتا ہے اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے عشق و محبت اور مضامینِ شباب کے حوالے سے مسعود تنہاؔ کے چند اشعار اس کی تنہائی پر سے پردہ اٹھا سکیں۔

نہ پوچھ ہم سے اکارت ہوئی جوانی بھی
کہ تیرے ہجر میں کاٹے ہیں رتجگے کتنے
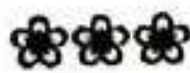
❀❀❀

بہانے ترکِ تعلق کے کس نے ڈھونڈے تھے
یہ سارے حلقۂ یاراں میں فیصلے ہوں گے

❀❀❀
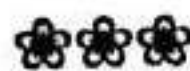
تمہاری بے رخی بدلے نہ بدلے
ہماری بے بسی باقی رہے گی

پھولوں کا گداز اک ترے پیکر کا حوالہ
مہتاب سے بڑھ کر تری رخشندہ جبیں ہے

کتنا دلکش ہے ترے حسنِ نظر کا منظر
دیکھنے کا تجھے انداز کہاں بھولا ہے

حسرت، فراق، رنج و الم، اشک، بے بسی
سوغات چاہتوں کی لیے جارہا ہوں میں

مسعود تنہا کی شاعری کی بات غزل میں صرف محبت یا رومانویت کے موضوع پر آ کر ختم نہیں
وجاتی بلکہ اُس نے سماج اور معاشرے کی زبوں حالی اور دگرگوں نکات کو بھی اپنی شاعری میں
جاگر کیا ہے اور یوں زندگی کو قریب سے دیکھنے، پرکھنے اور برتنے کا جو سلیقہ اسے آتا ہے اس پر
صائب رائے دیتے ہوئے شعر و سخن کے بھنڈار میں اپنی بھرپور بحث سے حصہ ڈالا ہے۔ یوں اپنے
حول اور اپنی ذات کے تعلق کو برقرار رکھنے میں اپنی حد تک کامیاب رہنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ
تعالیٰ اس کے قلم، فکر اور فن کو مزید روانی بخشے اور اُسے خوبیوں اور رعنائیوں سے نوازے۔ آمین!

شاکر کنڈان
سرگودھا

کارِ حرفت

جو پلکوں پر نگینے جڑ رہے ہیں
عجب سے کشمکش میں پڑ رہے ہیں
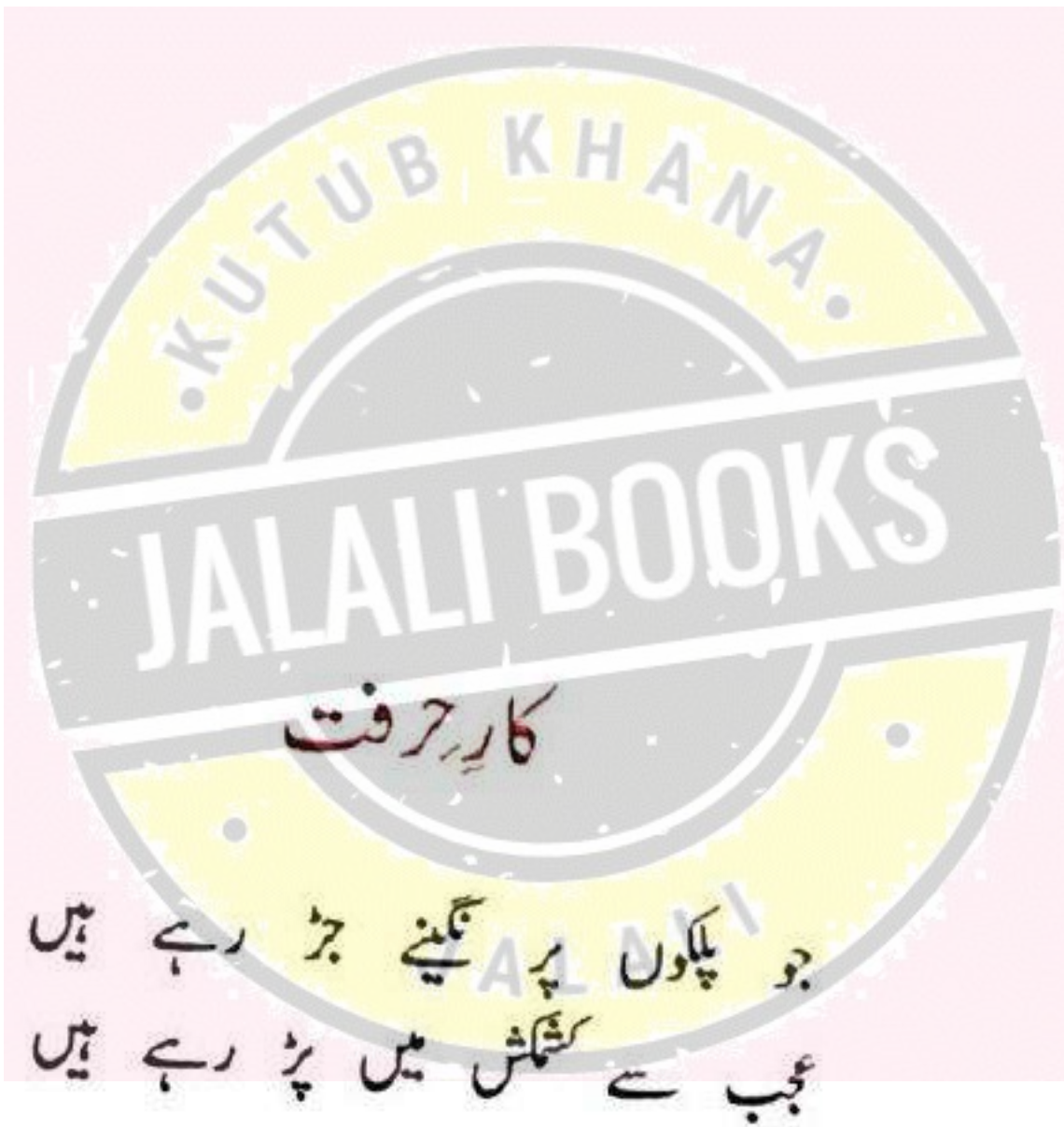
ہم اپنے اپنے اندازِ نظر سے
یہاں پتھر دلوں سے لڑ رہے ہیں
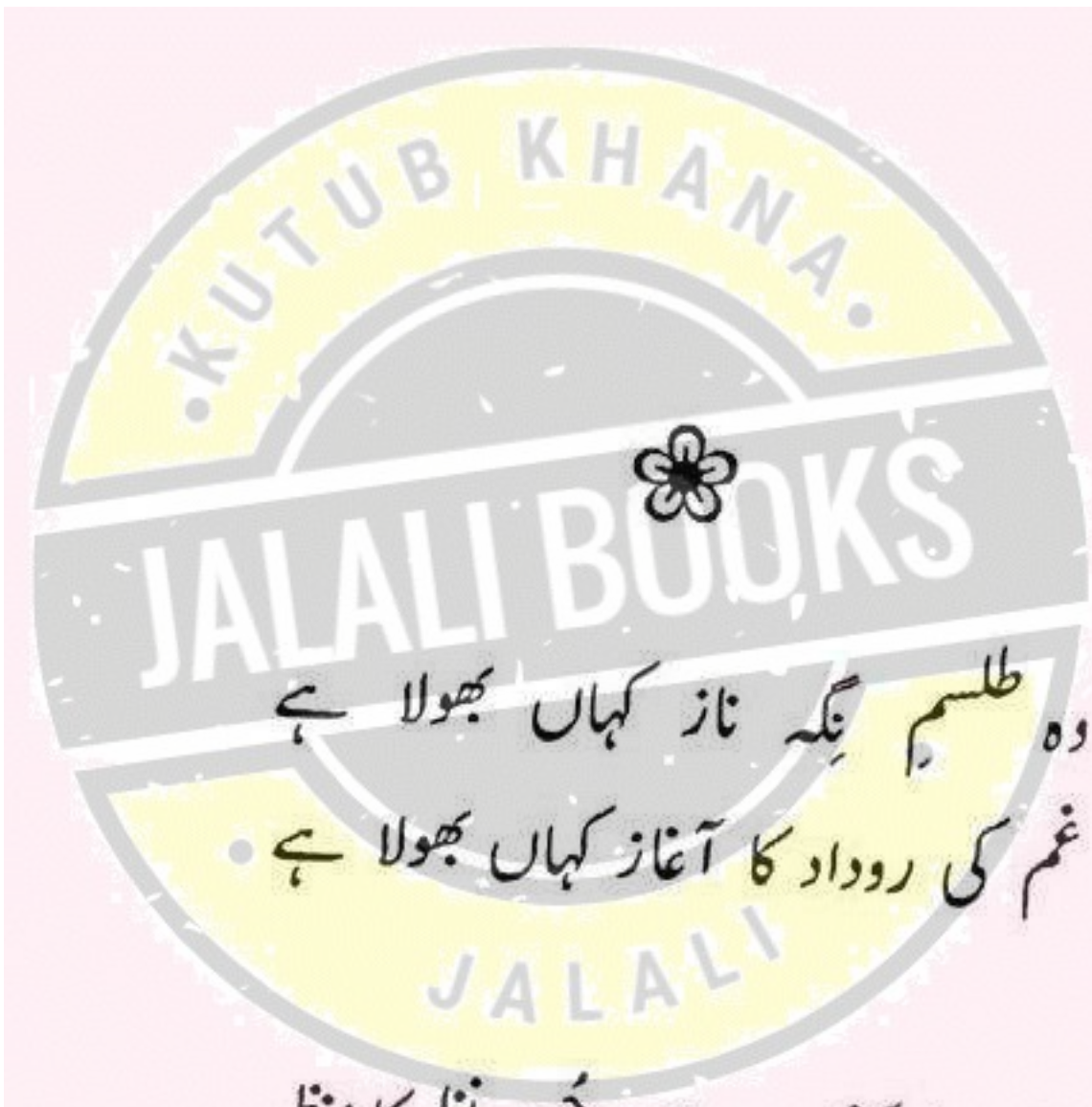
وہ طلسمِ نگہ ناز کہاں بھولا ہے
غم کی روداد کا آغاز کہاں بھولا ہے

کتنا دل کش ہے ترے حُسنِ نظر کا منظر
دیکھنے کا تجھے انداز کہاں بھولا ہے

کتنے نغمے مرے کانوں میں مسلسل گونجے
پر ترا شعلۂ آواز کہاں بھولا ہے

مطربِ شہر کی آواز میں دل کش سی کھنک

آج بھی نغمۂ بے ساز کہاں بھولا ہے

کون کہتا ہے مجھے بھول گیا ہے تنہا

میری باتیں مرا ہمراز کہاں بھولا ہے

❀
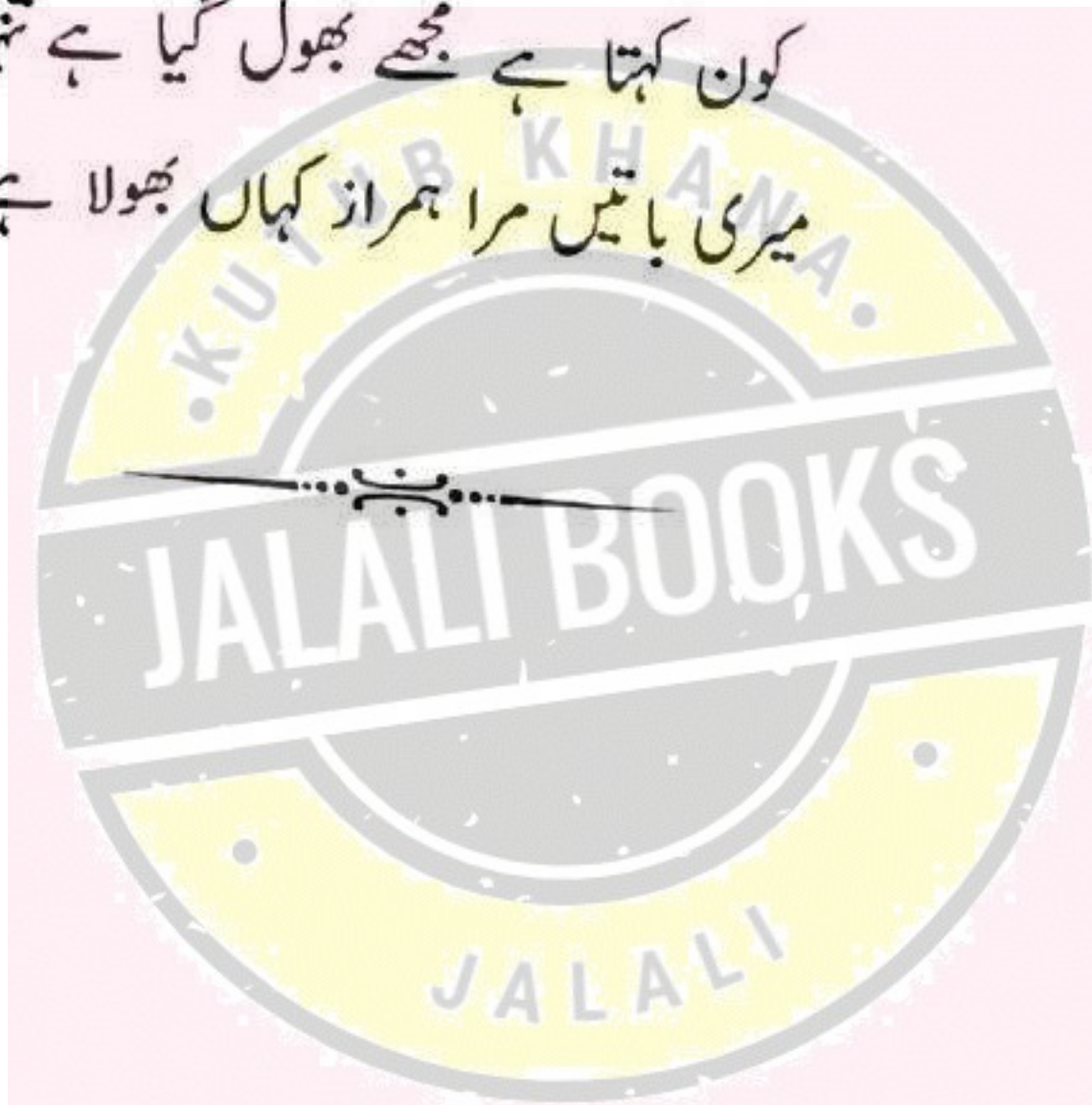
بوجھ اتنا ہے میرے شانے پر
میں کہ مجبور ہوں اُٹھانے پر

دوستو! مجھ سے کیوں ہوئے برہم
بے بصر، آئنہ دکھانے پر

اب اُڑوں گا میں اپنی ہمت سے
لگ گئے ہیں مجھے زمانے، پر

بچ کے نکلا تھا جو کبھی مجھ سے
آ گیا ہے مرے نشانے پر

آ بھی جائیں گے زیرِ دام کبھی
یہ جو آتے ہیں ایک دانے پر

اِک نظر ہے ترے تعاقب میں
اِک نظر ہے مری زمانے پر

گھر بنایا تھا، اور نیت سے
آ گیا ہوں میں اب جلانے پر

کون آئے گا، بعد مرنے کے
ہم فقیروں کے آستانے پر

رفتہ رفتہ اب آ گئی تنہا
زندگی موت کے دہانے پر

مجھ کو چھوڑے جا رہے ہو میرے گھر کے سامنے
یوں مجھے رُسوا نہ کیجے ہر بشر کے سامنے

تیرے آنے سے مجھے ایسے لگا، جیسے کوئی
آ گیا ہو آسماں سے چاند اُتر کے سامنے

آج آؤ! اس طرح جیسے کہ پہلی بار تم
آ گئے تھے بے خیالی میں سنور کے سامنے

اس کی آنکھیں آج بھی اتنی حسیں دکھائی دیں؟
دیکھیے تو گر پڑا ہوں میں بکھر کے سامنے

مجھ سے تنہا روٹھ کر تنہائیوں میں جا بسا
ڈھونڈ کر لائے اُسے کوئی نظر کے سامنے

❀

تیرا اپنا ہوں دیکھ بھال مجھے
کھو نہ جاؤں کہیں سنبھال مجھے

میں چلا تو گیا تھا، دور کہیں
پھر ترا آ گیا خیال مجھے
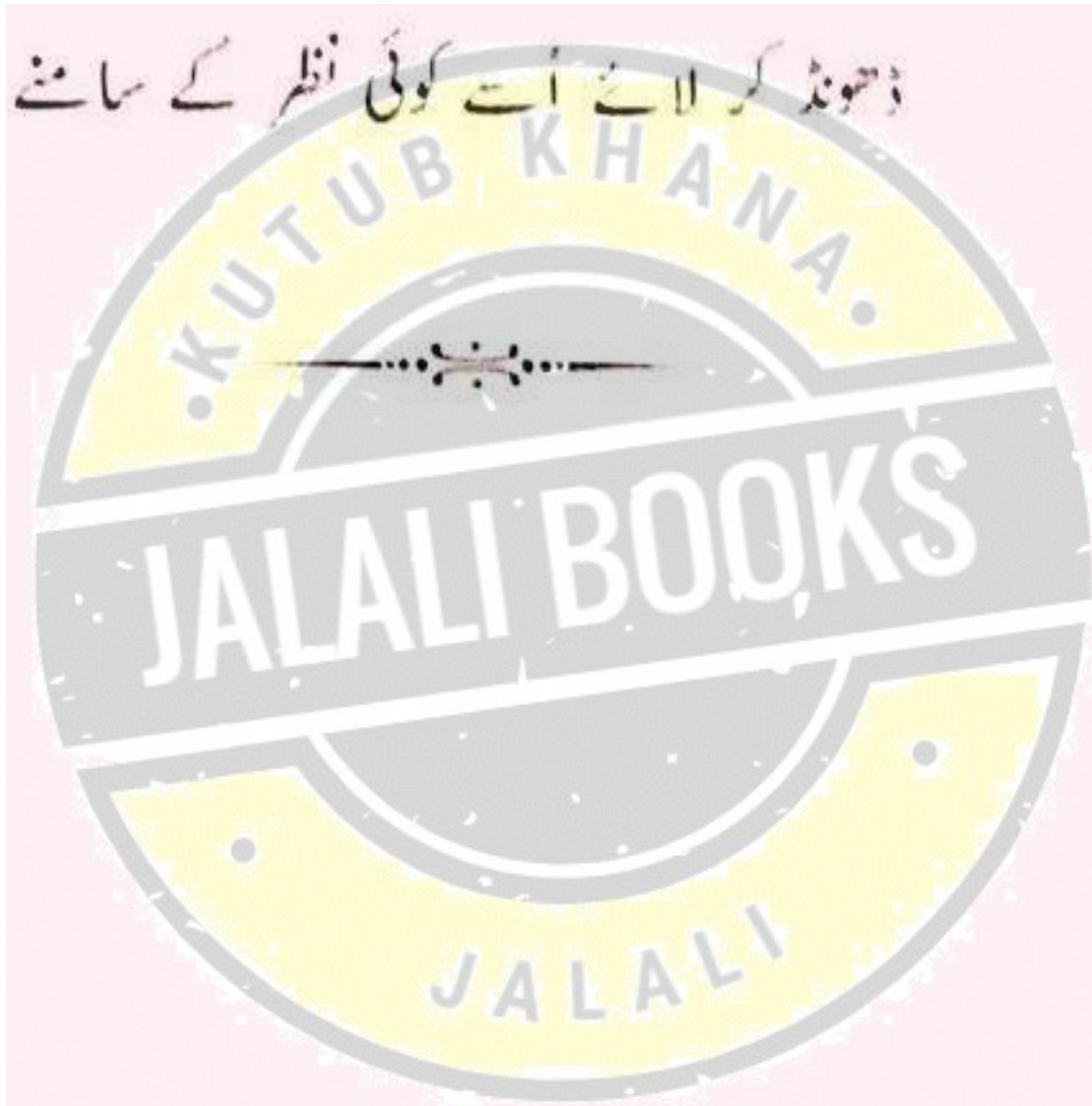
میں نے رکھا عزیزِ جاں تم کو
دیکھ! مُشکل میں تُو نہ ڈال مجھے

میں ہوں سورج ترے زمانے کا
دوست! ممکن نہیں زوال مجھے

میں تری دسترس میں ہوں کب سے
وحشتِ ہجر سے نکال مجھے

مار ڈالے گی ایک دن تنہا
یہ تری شوخیِ جمال مجھے

تری جب تک کمی باقی رہے گی
ان آنکھوں میں نمی باقی رہے گی

بکھر جاؤں گا میں، لیکن نظر میں
شبیہ شبنمی باقی رہے گی

تری آمد سے میرے گلستاں میں
گُلوں میں تازگی باقی رہے گی

تمھاری بے رُخی بدلے نہ بدلے
ہماری بے بسی باقی رہے گی

میں جب تک ڈھونڈ لوں تنہا نہ اُس کو
مری آوارگی باقی رہے گی

❀

راہ بدلیں کہ رہ نما بدلیں
ہم ہیں اس سوچ میں کہ کیا بدلیں

کر چکے تھے جو ہم بچھڑنے کا
اب ضروری ہے فیصلہ بدلیں
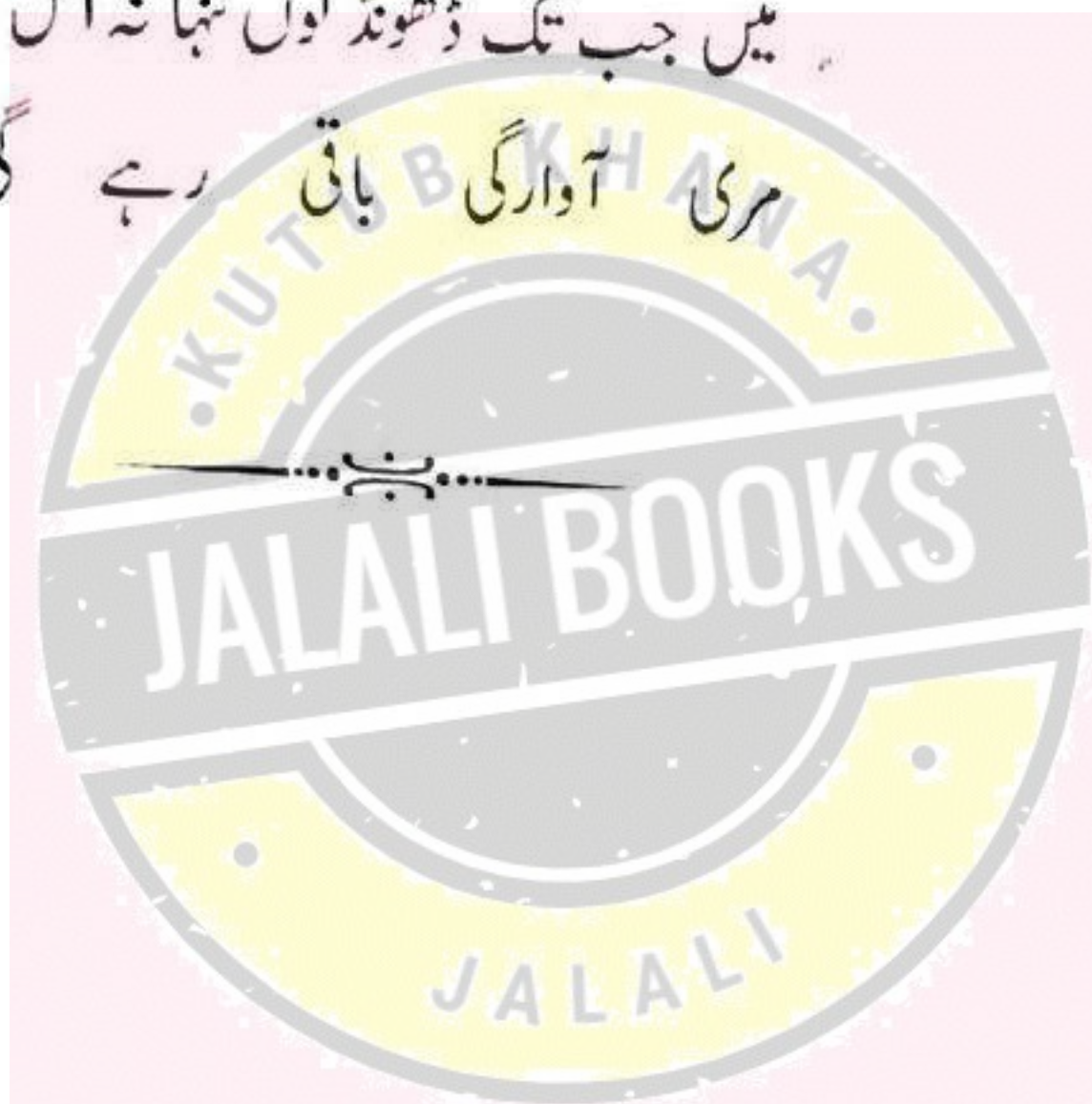
کارِ دُنیا میں ہم پہ لازم ہے
خود پرستی کی ہر ادا بدلیں

بدگمانی ہی بدگمانی ہے
شہرِ ظلمت میں آشنا بدلیں

لڑ چکے ہیں بہت زمانے سے
اب تو تنہا یہ معرکہ بدلیں
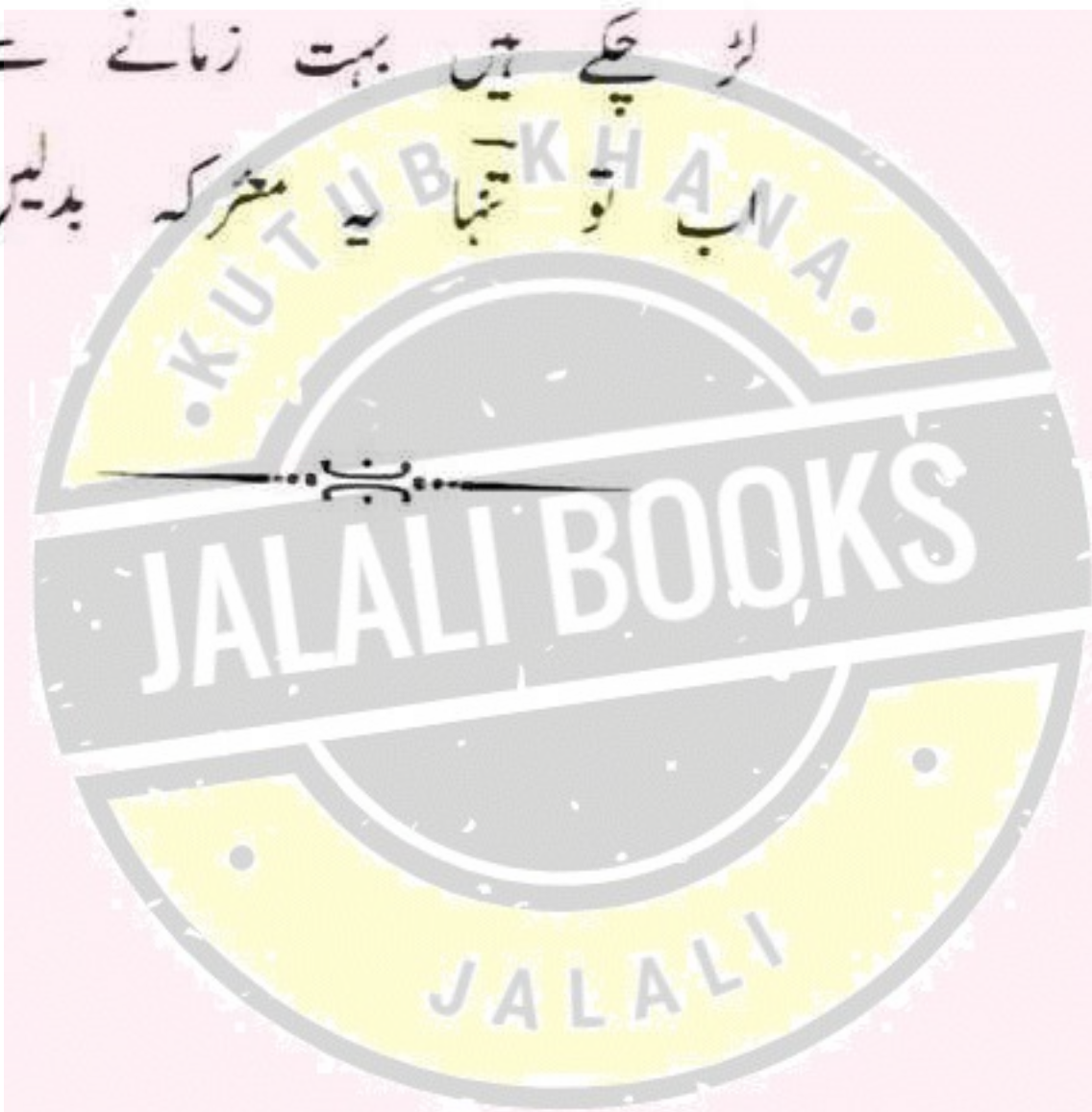
اک میں کہ رہا دوستو ہر بار سلامت
ہے کس کا بجز میرے شہر میں کردار سلامت

اک تیرے ستم سے جو گری ہے مرے دل کی
ہو سکتی نہیں اب تو وہ دیوار سلامت

اپنی تو دعا ہے کہ حریفوں میں مرے دوست!
ہر وقت رہے آپ کا معیار سلامت

محفوظ نہیں بنتِ غریباں کی جو عزت
اب تک ہے مرے شہر میں سردار سلامت

میں جب بھی لڑا حق کی طرف ہو کے، عدو کی
میداں میں رہی کوئی نہ تلوار سلامت

تنہا میں ترے واسطے بے چین ہوں اب تک
سینے میں نہاں ہیں ترے اقرار سلامت

جو بھی کرنا ہے محترم کیجے
پھر کوئی داستاں رقم کیجے

میں وفادار ہوں زمانے میں
میرے بازو بھی اب قلم کیجے
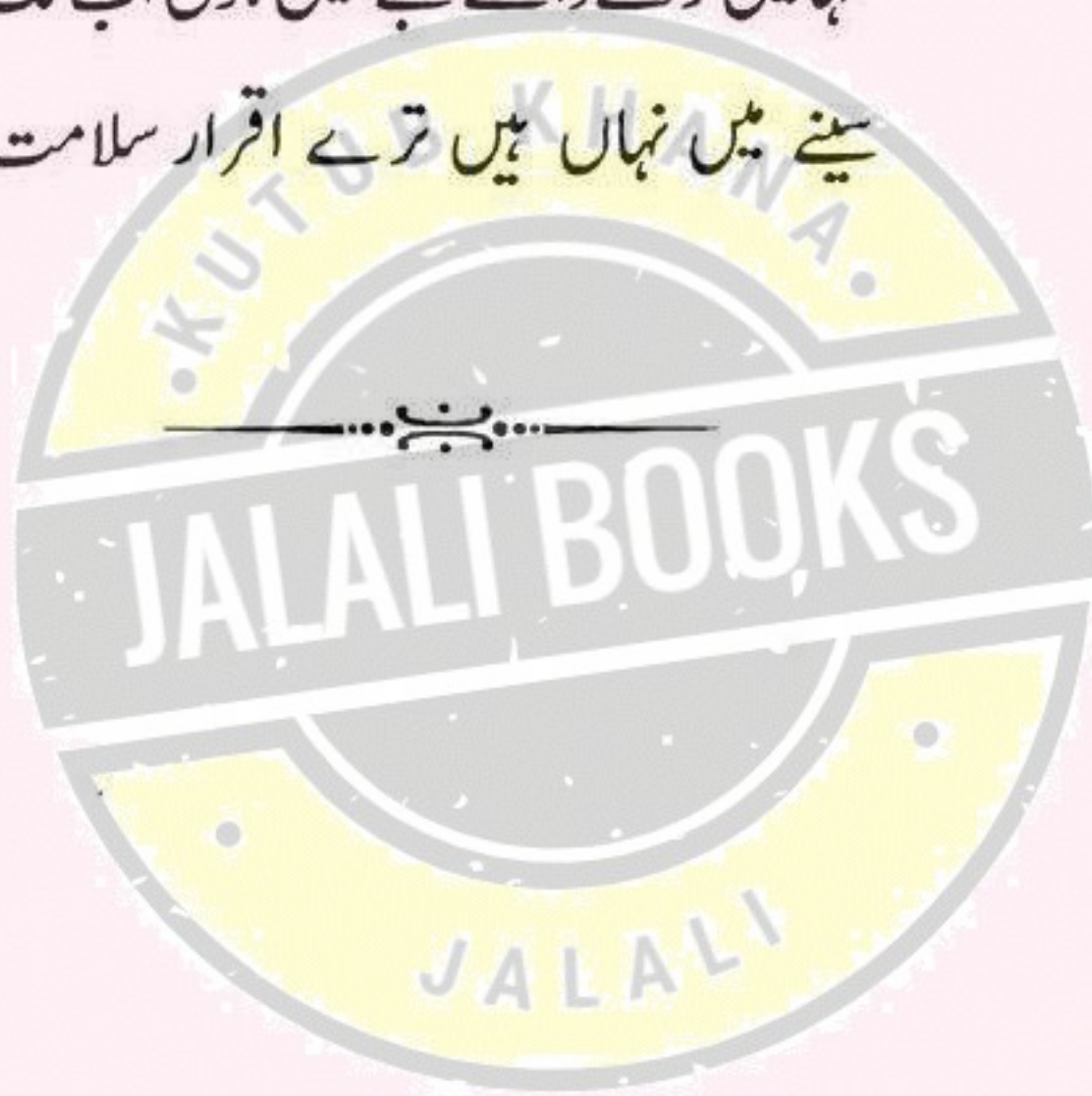
بغض و نفرت نکال کر دل سے
دشمنی ،دوستی میں ضم کیجے

جان لیوا ہے دکھ جدائی کا
اس قدر بھی نہ اب ستم کیجے

اپنی ناکامیِ محبت کا
اب بھلا کس طرح سے غم کیجے

—:—

❀

مجھے پتہ ہے جنوں کا اثر زیادہ ہے
کہ راہِ شوق کا مشکل سفر زیادہ ہے

سلوک رکھتا ہے مجھ سے منافقوں جیسا
تمام شہر میں جو معتبر زیادہ ہے
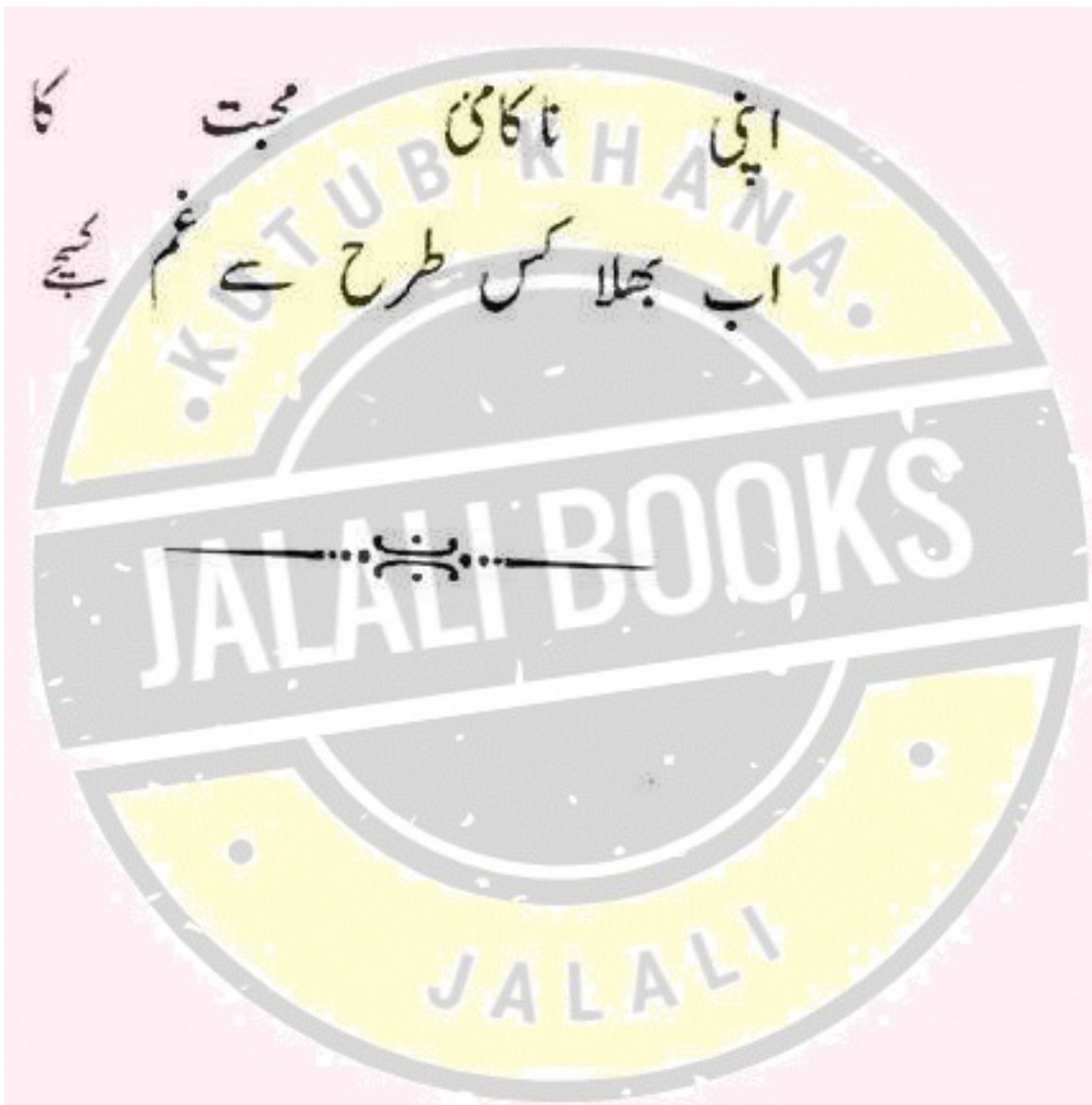
اُسے بھی تجھ سے محبت رہی ہے جانِ غزل
جو تیری بزم میں باچشمِ تر زیادہ ہے

فقیہ شہر سے میں نے سنا ہے وعظ، مگر

ترے بیان میں لیکن اثر زیادہ ہے

میں سوچتا ہوں کہ گزرے گی کس طرح تنہا

یہ کل کا بوجھ مرے آج پر زیادہ ہے

نذرِ فیض

اپنے ہنر کا ہر گھڑی صدقہ اُتار کے
دنیائے کم نگاہ کے گیسو سنوار کے

شاید یہ اب نہ آئے گا ہم کو نظر کبھی
"وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے"

❀❀❀

زمانے بھر کی نگاہوں میں خود کو ہار چلے
قسم خدا کی بڑے ہو کے بے قرار چلے

"قفس اُداس ہے یارو، صبا سے کچھ تو کہو"
اِدھر بھی آئے کہ ہم کر کے انتظار چلے

❀❀❀

ہر ایک یار مخالف بنا رہا اپنا
اسی لیے تو بہت بے قرار گزری ہے

تجھے بھلا نہ سکے ہم، تری محبت میں
''اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے''

آؤ! کوئی تو حل نکالتے ہیں
سارے قصّے پہ خاک ڈالتے ہیں

ہر مصیبت کو ہنس کے ٹالتے ہیں
جھومتے ہیں، دھمال ڈالتے ہیں

غیر تو غیر ہیں مصیبت میں
آشنا بھی کہاں سنبھالتے ہیں

دوست ہی خوبیاں بتاتے ہیں
دوست ہی خامیاں نکالتے ہیں

رات دن اپنے دل میں ہم تنہا
ان گِنت خواہشوں کو پالتے ہیں
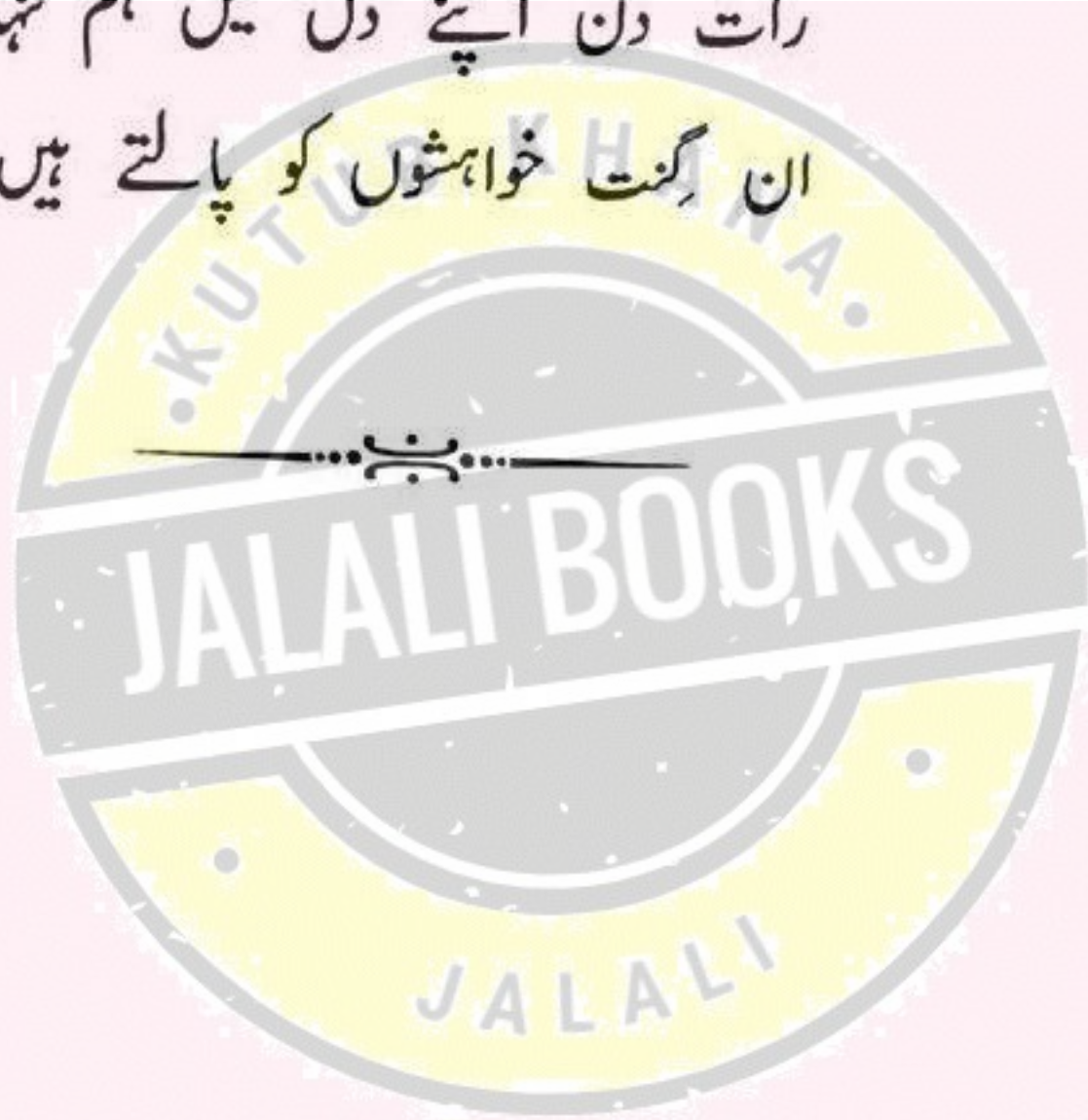
بے بسی کا جہان چھوڑ آئے
اس کا وہم و گمان چھوڑ آئے

ہم مسافر تھے تیرے کوچے میں
قریہ قریہ نشان چھوڑ آئے

مجھ سے لڑنے کو اب عدو میرے
اپنے تیر و کمان چھوڑ آئے

خوف پھیلا ہوا تھا بستی میں
لوگ اپنے مکان چھوڑ آئے

دشتِ غربت میں ہم سفر نہ بنا
ہم کئی مہربان چھوڑ آئے

سخت پہرا پڑا تخیّل پر
ہم ادھورا بیان چھوڑ آئے

دوستو! ہم زمیں کی چاہت میں
وسعتِ آسمان چھوڑ آئے

❀

حصارِ دشمنِ جاں سے نکل کے
چلے ہیں ہم بھی اب رستے بدل کے

عیاں سا ہوگیا ہے ہر کسی پر
ترا جوبن مرے شعروں میں ڈھل کے

مری دھڑکن کا بجتا ساز بھی تم
تمھی اعجاز ہو میری غزل کے

بھنور نے آ لیا ہے کشتیوں کو
یہ نظّارے ہیں آنکھوں میں اجل کے
نظّارے دیکھ لو تم میں اجل کے

جنہیں ڈر حادثاتی موت کا ہو!
گھروں سے وہ نکلتے ہیں سنبھل کے

کسی کے ساتھ جب ہوتا ہوں تنہا
مجھے وہ دیکھتا رہتا ہے جل کے

❀

کم کیا ہم نے اپنی ذات پہ غور
ہم تو کرتے ہیں کائنات پہ غور

تم نے مانے ہیں حکم لوگوں کے
کب کیا ہے ہماری بات پہ غور

مسئلے حل نہ ہو سکے اپنے
کر چکے ہیں مذاکرات پہ غور

بات ہوتی ہے جب محبت کی
کرنا پڑتا ہے دل کی بات پہ غور

جب بھی ملنے کی بات کرتا ہوں
کرنے لگتے ہیں میری بات پہ غور

* حادثے پھر نہ پیش آئیں گے ہمیں
یہ محافظ جو کرتے گھات پہ غور

حادثے پھر نہ پیش آئے ہمیں

خواہشِ شاعرِ آشفتہ مزاج

نِت نئے طور سے اس دل کو دلاسہ دینا
جانتا ہوں تری فطرت میں ہے دھوکہ دینا

عمر بھر جو نہ کسی طور کسی سے بھی بھرے
زخم دینا بھی تو ہمدم کوئی گہرا دینا

کسی کے عہدِ تمنا میں ہم جیے کتنے
ہمارے سامنے ٹوٹے ہیں آئنے کتنے

نہ پُوچھ ہم سے اکارت ہوئی جوانی بھی
کہ تیرے ہجر میں کاٹے ہیں رت جگے کتنے

مرے نصیب کے تارے تو بجھ گئے ہیں، مگر
ترے نصیب کے تارے چمک اُٹھے کتنے

مرے حلیف بھی سب مل گئے حریفوں سے
یہ میرے یاروں نے مجھ کو ہیں دکھ دیے کتنے

امیرِ شہر کی تھوڑی سی کج روی کے سبب
غریبِ شہر نے دیکھے ہیں حادثے کتنے
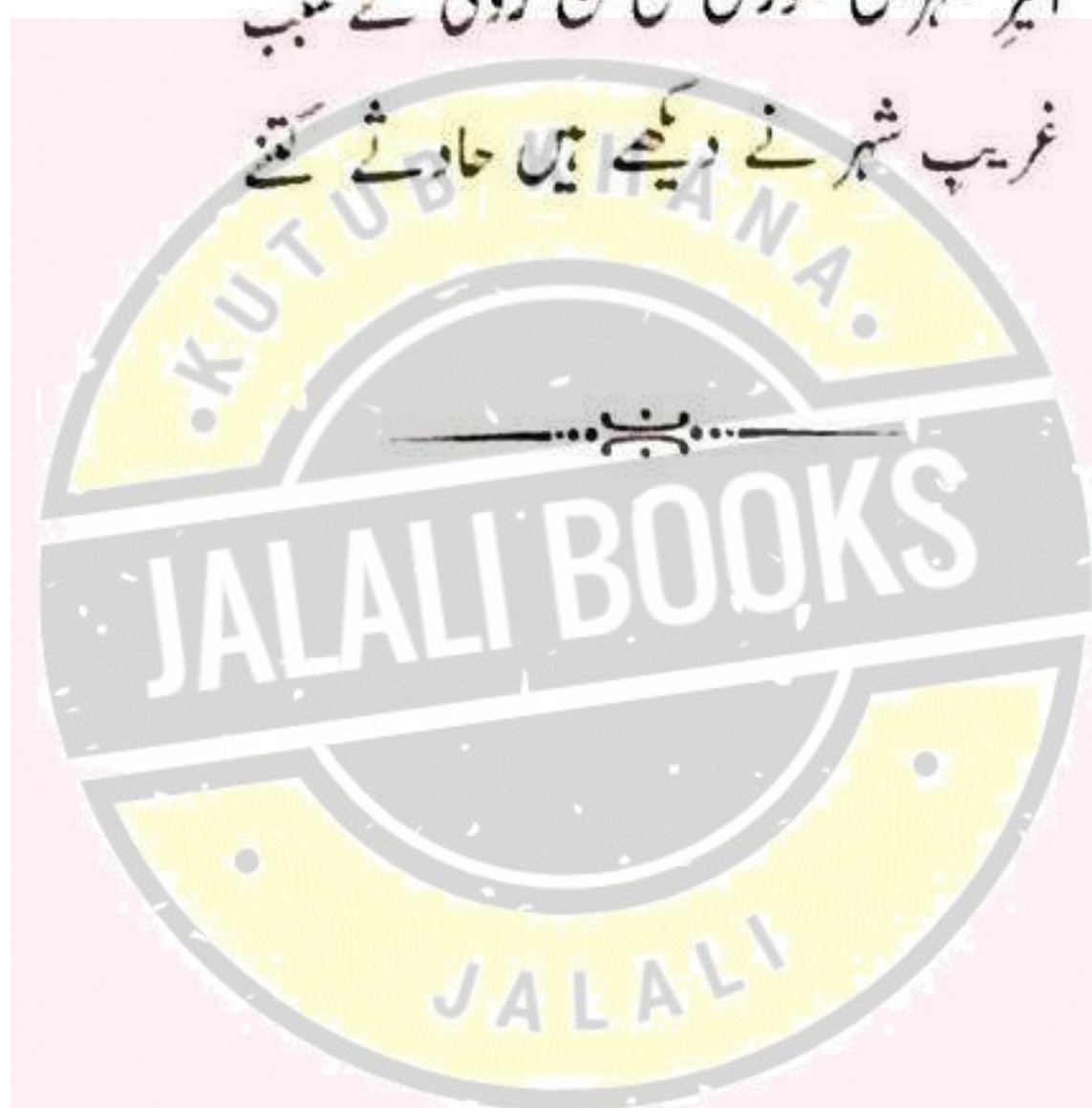
منیر نیازی کی نذر

محوِ حیرت و محوِ یاس منیر
ہر گھڑی تُو رہا اُداس منیر

دکھ ہی دکھ تھے تمھارے جیون میں
اور کیا تھا تمھارے پاس منیر

کارِ تخلیق معتبر ٹھہرا
کارِ دُنیا ہے ناسپاس منیر

کیا بتائیں تمھارے بارے میں
لوگ پھرتے ہیں آس پاس منیر

میر و غالب، فراز و فیض کے بعد
میری نظروں میں تُو ہی خاص منیر

تیری توقیر کیا گھٹائیں گے
کم سخن اور کم شناس منیر

❀

یوں ہی بے نام تعلق میں نہ مارے جاتے
اچھا ہوتا جو ترے حُسن پہ وارے جاتے

بارہا ہم نے اُسے رو کے کہا ہے، صاحب
دن جدائی کے نہیں ہم سے گزارے جاتے

ہم کو معلوم نہ تھا، آج مگر سوچا ہے
تیری زُلفوں کی طرح بخت سنوارے جاتے

اس لیے ہم نے جوانی کو یہاں بیچ دیا
بے نواؤں سے کہاں قرض اُتارے جاتے

آج شدت سے یہ احساس ہوا ہے جاناں
"ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے"

ڈوبنا اپنے مقدر میں لکھا تھا تنہا
کیوں نہ پھر دور سفینے سے کنارے جاتے

نظر وہ خوبرو رکھتے
جو تیری آرزو رکھتے

نہ ہوتے لاتعلق ہم
جو ربطِ گفتگو رکھتے

تجھے تو پا ہی لیتے ہم
جو پیہم جستجو رکھتے

خلِش یہ تھی کہ محفل میں
وہ میری آبرو رکھتے

مزا ہوتا عداوت کا
جو ظرف اپنے عدو رکھتے

اگر تھا دیکھنا، اس کو
تو آنکھیں باوُضو رکھتے

بہت کچھ دیکھتے، تنہا
اگر ہم رنگ و بُو رکھتے

اس شہرِ نگاراں میں کوئی تجھ سا نہیں ہے
میں کیسے بتاؤں تجھے تُو کتنا حسیں ہے

پھولوں کا گداز اک ترے پیکر کا حوالہ
مہتاب سے بڑھ کر تری رخشندہ جبیں ہے

خوشبُو ترے سانسوں کی رچی ہے رگ و پے میں
محسوس یہی ہوتا ہے تُو میرے قریں ہے

کم ملنے کا احساس گراں لگتا ہے تیرا
اب لطف و کرم بھی ترا پہلے سا نہیں ہے

وہ جھیل کی پنہائی میں اک قطرہ ہے لیکن
رُک جاتا ہے جب پلکوں پہ آ کر تو نگیں ہے

ذکرِ غمِ دل اوروں سے اچھا نہیں لگتا
یہ دردِ محبت تو مرے دل کا مکیں ہے

ہنستا ہوا ملتا تھا سدا بزم میں تنہاؔ
اب جانے وہ کیوں اتنا اُداس اور حزیں ہے

سفر میں ایسے بھی انجانے مرحلے ہوں گے
ہر ایک موڑ پہ کچھ راہزن کھڑے ہوں گے

ہر ایک بات پہ اکثر جو ہنس کے ملتے تھے
وہ گردشوں میں نجانے کہاں رہے ہوں گے

بہانے ترکِ تعلق کے کس نے ڈھونڈے تھے
یہ سارے حلقۂ یاراں میں فیصلے ہوں گے

چلے تو ساتھ ہیں لیکن مجھے یہ خدشہ ہے
کہیں سفر میں بچھڑنے کے سلسلے ہوں گے

دمکتے چہروں سے سارے نقاب اُلٹ دیں گے
جہانِ نقد و نظر میں وہ آئنے ہوں گے

کٹی ہیں کیسے ترے ہجر میں مری راتیں
ثبوت ان کے نگاہوں میں رت جگے ہوں گے

رہیں گے اپنی ہی دُنیا میں وہ تنہا
تمھارے شہر میں جتنے بھی دل جلے ہوں گے

آدھے رستے سے لوٹ آتی ہے
پھرتی رہتی ہے دربدر خواہش

وہ کسی روز تو ملے ہم سے
بس یہ ہے ایک مختصر خواہش

میں چلا ہی گیا اُدھر تنہا
لے گئی ہے مجھے جدھر خواہش

نذرِ عبدالحمید عدمؔ
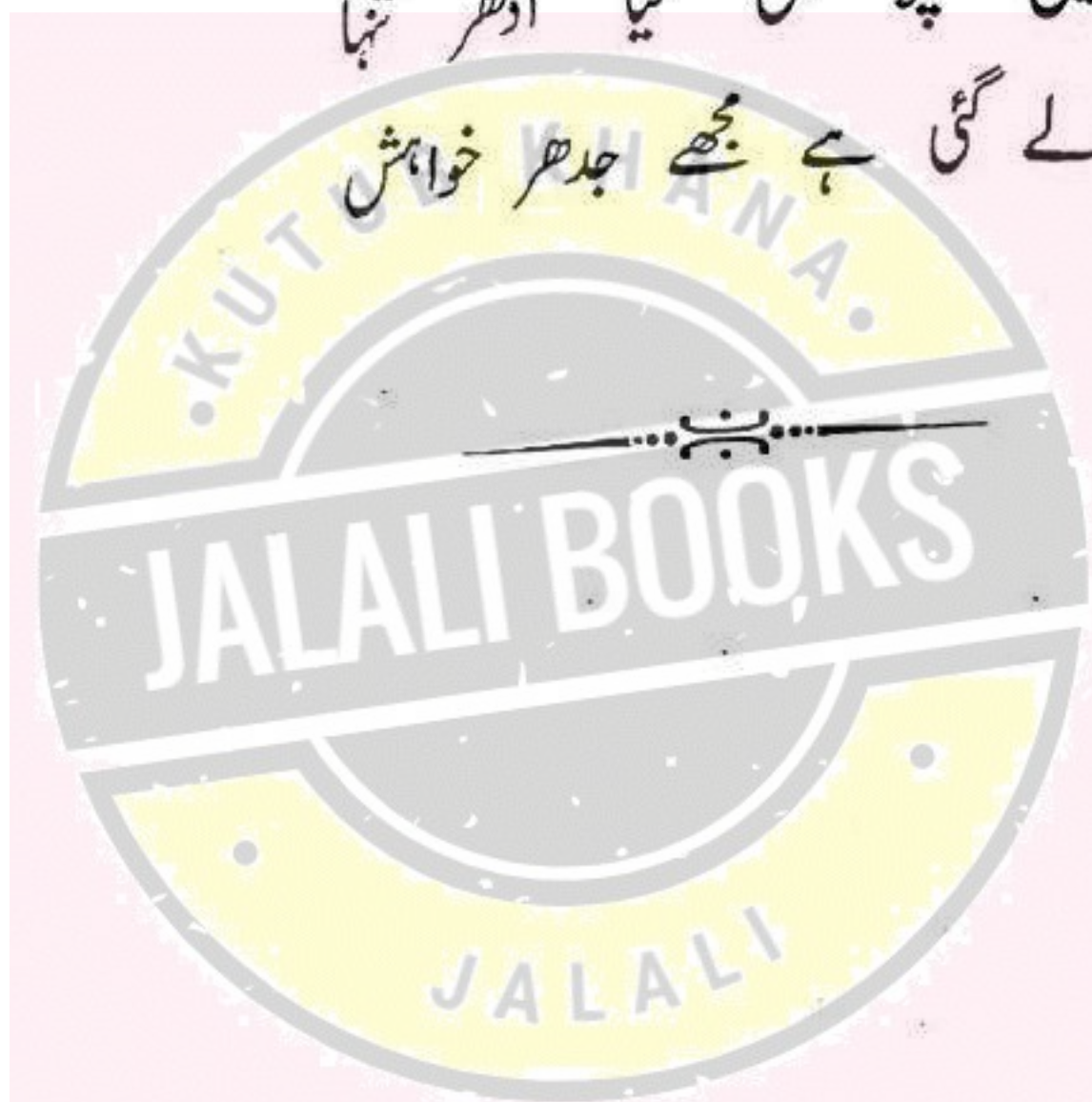
ہم تو پی کر بھی بیٹھے رہے اور پھر
مے کدے سے سلامت نکل آئے ہیں

سارے احباب تھے محوِ بزمِ طرب
ہو رہی تھی ندامت نکل آئے ہیں

عزیزوں کی عنایت بھی سزا معلوم ہوتی ہے
یہ برسوں کی رفاقت بھی سزا معلوم ہوتی ہے

کسی کے لوٹ آنے کے بہت سے خواب دیکھے تھے
مگر اب تو محبت بھی سزا معلوم ہوتی ہے

مرے اندر سبھی موسم ہیں گویا درد کے موسم
جو اب تھوڑی شکایت بھی سزا معلوم ہوتی ہے

امیرِ شہر نے جب سے غریبِ شہر کو لوٹا
ہمیں اپنی مشیّت بھی سزا معلوم ہوتی ہے

گناہوں نے مجھے جکڑا ہُوا ہے اس طرح تنہا
کہ لحظہ بھر عبادت بھی سزا معلوم ہوتی ہے

کچھ عرضِ اِلتفات پہ بھی غور کیجیے
میری گزارشات پہ بھی غور کیجیے

آسائشوں میں اپنی، رہو ہر گھڑی مگر
اپنوں کے حادثات پہ غور کیجیے
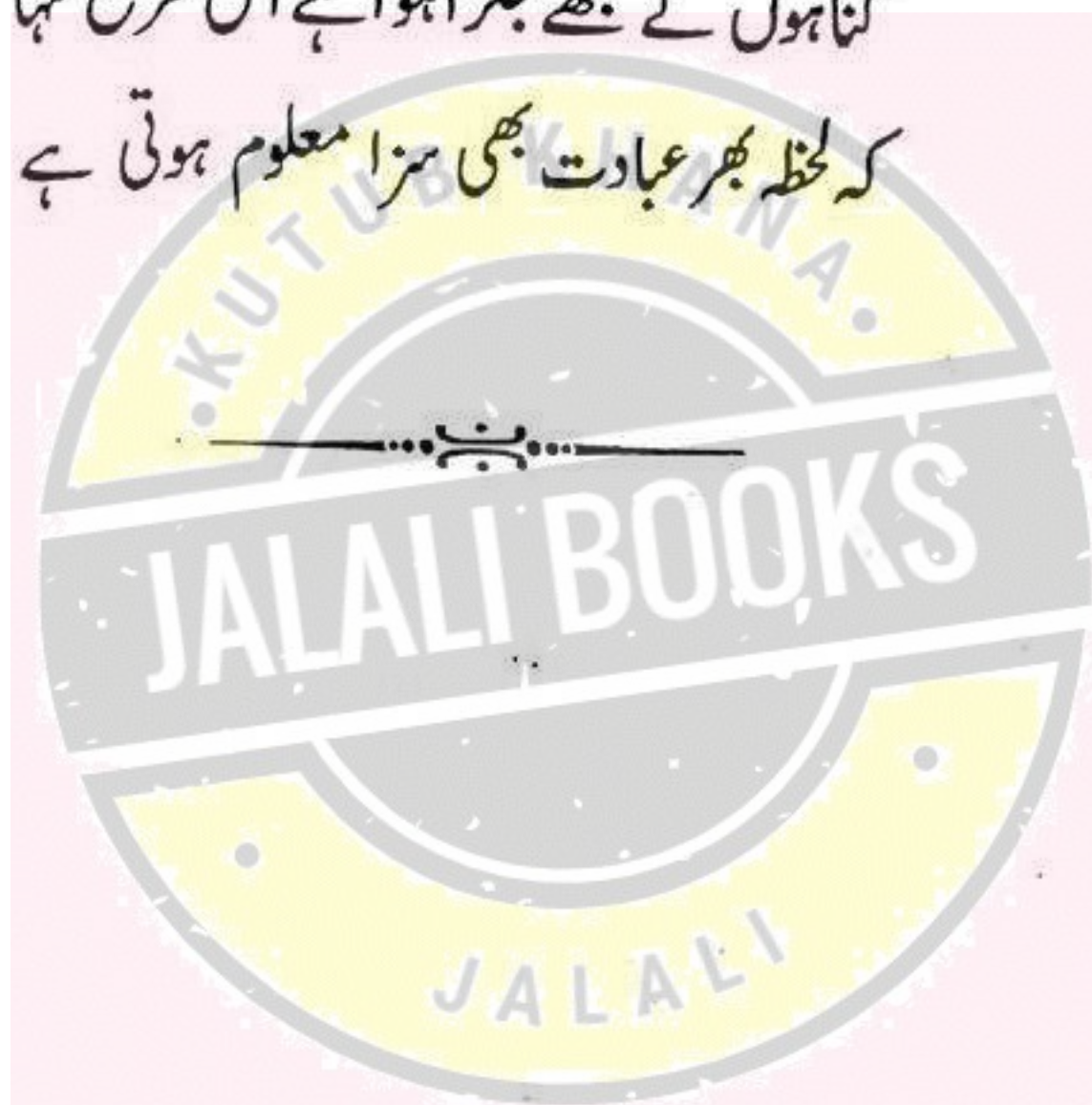
مت چھیڑیے گا قصّۂ ماضی پہ گفتگو
تازہ معاملات پہ بھی غور کیجیے

کرب و بلا میں لٹ گئی ناموسِ مصطفیٰ
اعجاز و واقعات پہ بھی غور کیجیے

بغض و حسد کا شہر میں چرچا ہے آجکل
اب ایسے سانحات پہ بھی غور کیجیے

تنہاؔ اسے سنبھال کے رکھنا جہان سے
چاہت کی واردات پہ بھی غور کیجیے

راحتِ جاں

موسمِ گل ہے انتظار بھی ہے
دل ترے غم میں بے قرار بھی ہے

جس کو راحت ہے تیری یادوں سے
تیری فُرقت میں اشک بار بھی ہے

❀
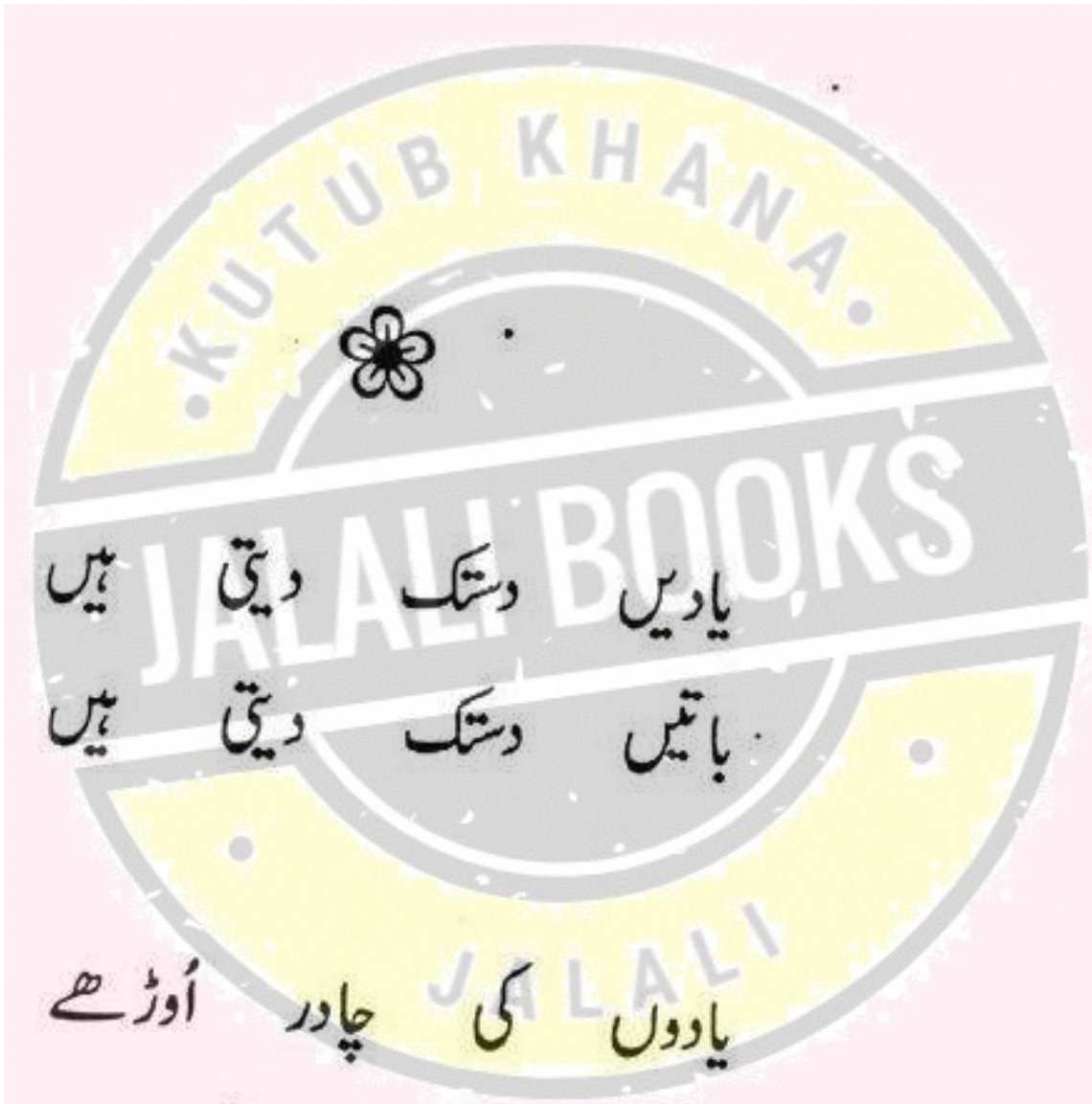
یادیں دستک دیتی ہیں
باتیں دستک دیتی ہیں

یادوں کی چادر اوڑھے
سوچیں دستک دیتی ہیں

بیتے وصل کی چوکھٹ پر
شامیں دستک دیتی ہیں

پھر تیرے دل کے در پر
آنکھیں دستک دیتی ہیں

درد نگر کے باسی کو
راہیں دستک دیتی ہیں

تنہائی میں مجھے تنہا
غزلیں دستک دیتی ہیں
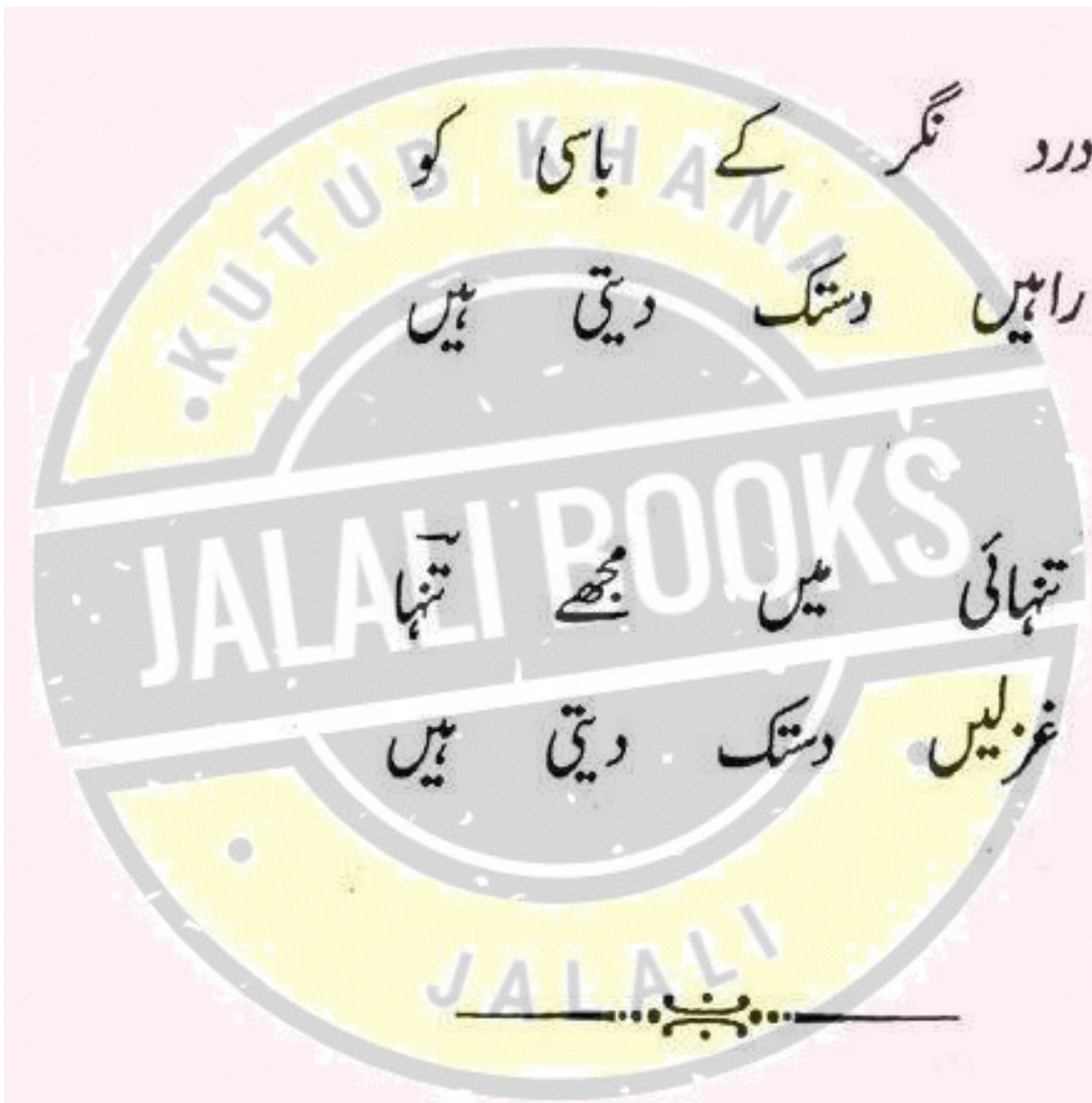
جو تری ہستی ہے اُس کو دیدہ ور مت بھُولنا
"اپنی مٹی، اپنے موسم، اپنا گھر مت بھُولنا"

ہوش اتنا چاہیے اے جذبۂ جوشِ جنوں
اپنے کوچے کے کبھی دیوار و در مت بھُولنا

جانے کیا کیا اور ہوں راہ میں مشکلیں
ساتھ رکھنا ہے کبھی زادِ سفر مت بھُولنا

بھُول بیٹھے ہو جسے تم وہ تمھیں بھُولا نہیں
یہ مرا پیغام دینا نامہ بر مت بھُولنا

روزِ روشن کی طرح سب کچھ عیاں ہو جائے گا
بابِ ہستی کے کبھی زیر و زبر مت بھُولنا

پہلے رُخ دیکھو زمانے کی ہوا کا غور سے
بعد میں کچھ سوچنا پھر سوچ کر مت بھُولنا

جس کی نسبت سے تری شہرت ہے تنہاؔ چار سو
اُس کے گن گاتے ہی رہنا عمر بھر مت بھُولنا

تجھ کو سوچوں تو دل سلگتا ہے
ایسی حالت میں کیا کرے کوئی

مجھ کو شہرِ ہوس سے لے جائے
مجھ پہ اتنا بھلا کرے کوئی

زخم دیتا ہے ہر کوئی تنہا
حوصلہ بھی دیا کرے کوئی
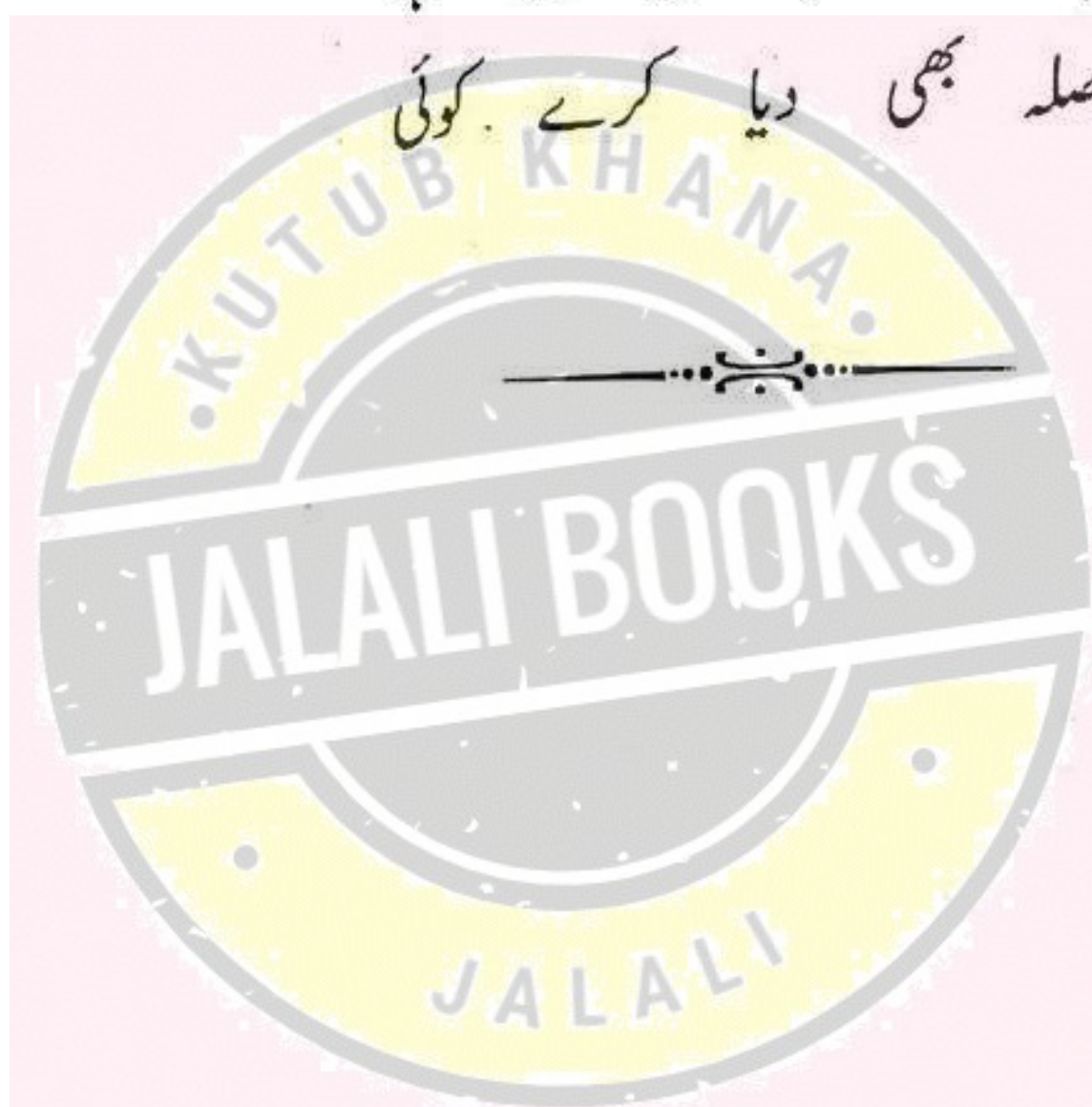
ظفر اقبال کے لیے

کارِ تخلیق کر رہے ہیں ہم
حسبِ توفیق کر رہے ہیں ہم

کتنی تحقیق کر رہے ہیں ہم
جمع تفریق کر رہے ہیں ہم

خود ہی لکھتے ہیں بے مزہ غزلیں
خود ہی تصدیق کر رہے ہیں ہم

تیری تقلید کر رہے ہیں ظفر
کیا یہ سب 'ٹھیک' کر رہے ہیں ہم

ہنسنے والوں کو جو اک پل میں رُلا سکتے ہیں
ایسے لمحات بھی تو زیست میں آ سکتے ہیں

ایک اپنی بھی کہانی ہے سُنا سکتے ہیں
دوستو! جشنِ طرب ہم بھی منا سکتے ہیں
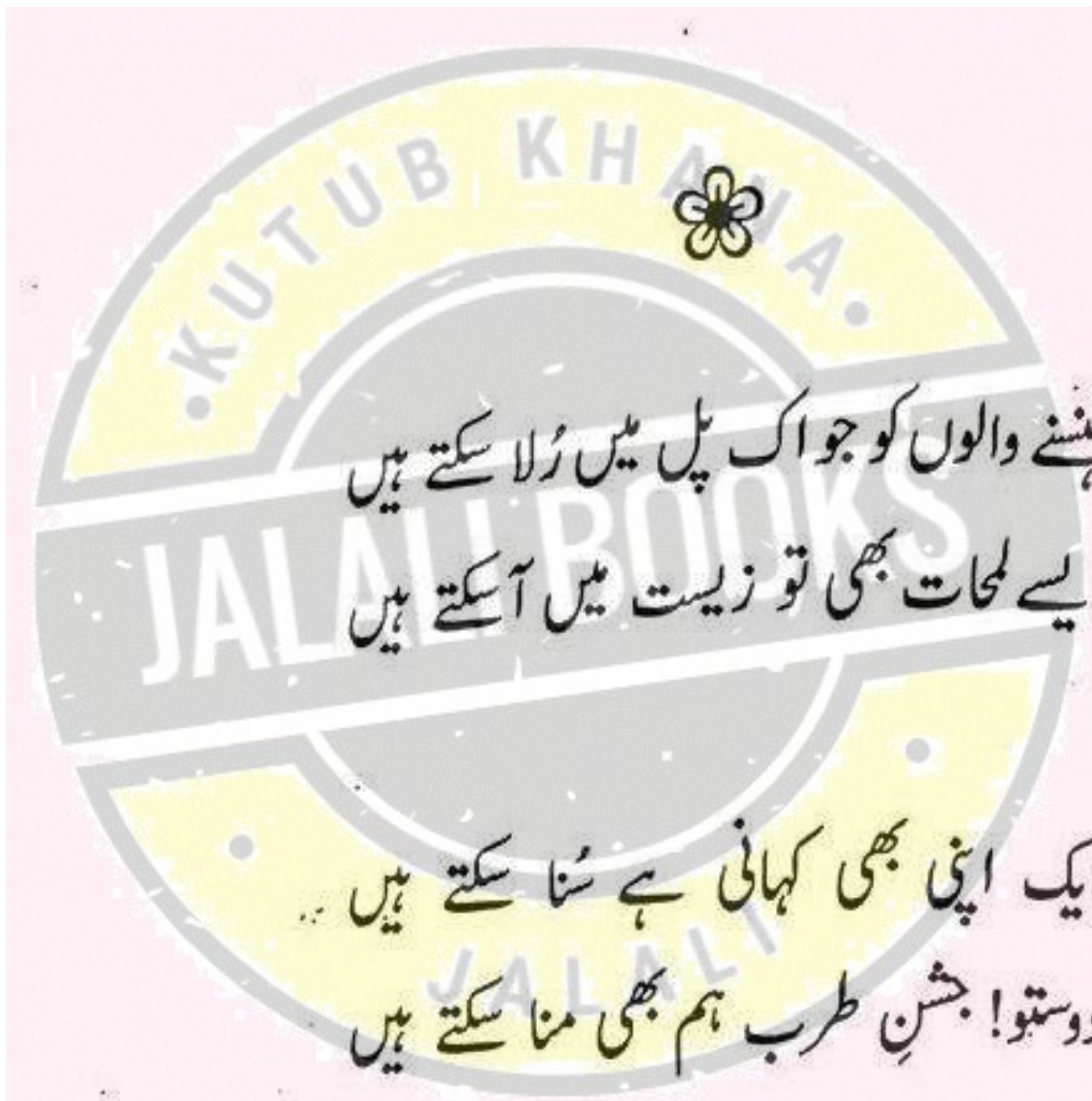
تیرے کہنے پہ چلے آتے ہیں تیری جانب
ہم نہ آ سکتے کہیں اور نہ جا سکتے ہیں

چپ جو رہتے ہیں تو یہ بات غنیمت جانو
ورنہ ہم لوگ بھی ~~~~ اُٹھا سکتے ہیں ★
اِک حشر

اُتر آئیں جو تنہا سائیں
ہم بغاوت پہ
کج کلاہوں کے سروں کو بھی جھکا سکتے ہیں

ورنہ ہم لوگ بھی اِک حشر اُٹھا سکتے ہیں

بلا ناغہ

صاحبانِ ضمیر گزریں گے
چاہتوں کے سفیر گزریں گے
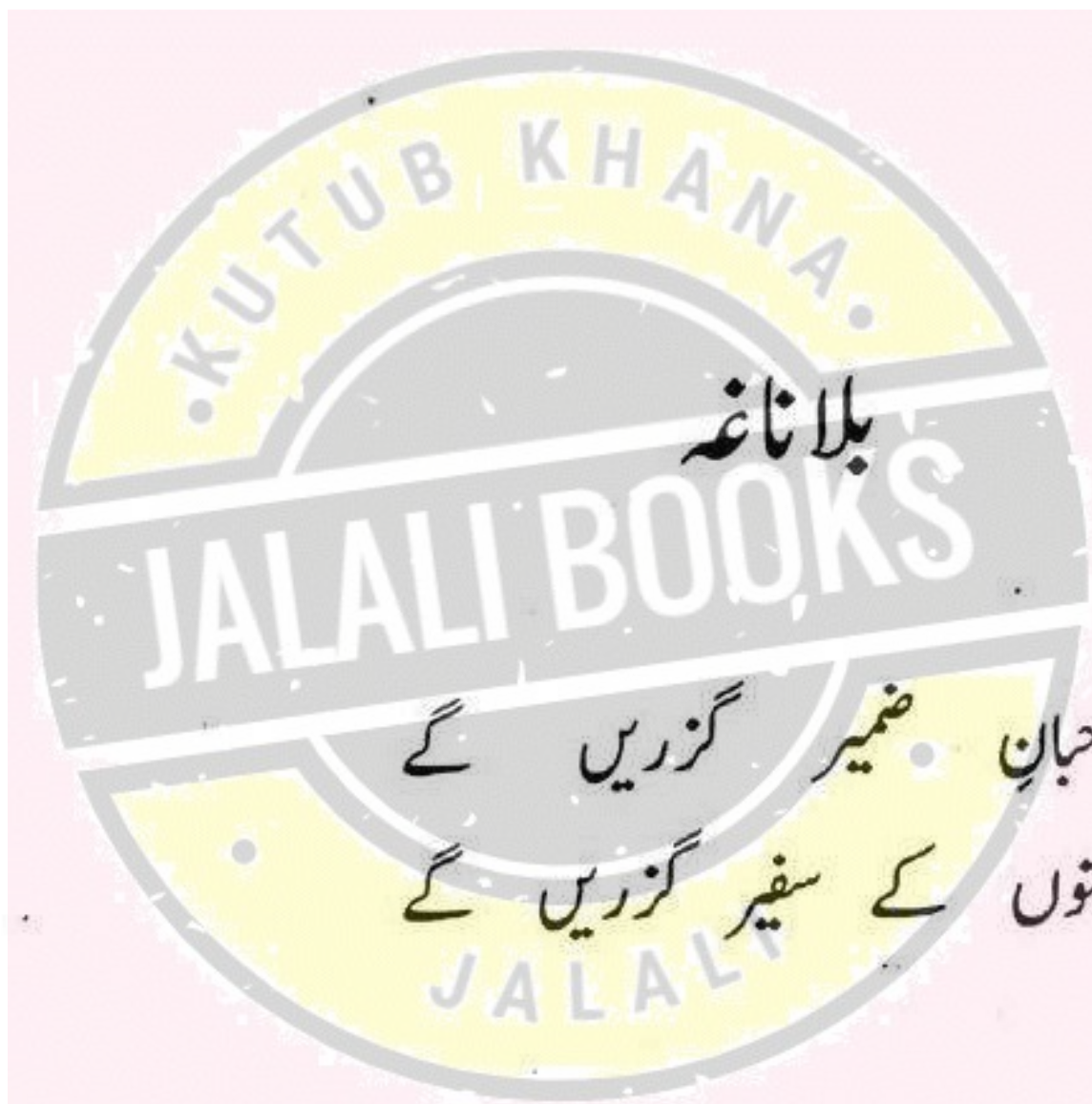
شام ہوتے ہی دیکھنا، جاناں
اس گلی سے فقیر گزریں گے

❀

دکھوں کے آسرے جینا پڑے گا
ہمیں ہر حال میں ہنسنا پڑے گا

ہے اپنے ساتھ کیسی بے یقینی!
سفر میں سوچ کر چلنا پڑے گا

جب آگے راستہ کوئی نہیں ہے
مجھے پھر لوٹ کر آنا پڑے گا

قفس کو توڑ کر نکلا ہے طائر
اُسے اب دربدر رہنا پڑے گا

زمانہ میرے زیرِ پا ہے، لیکن
اب اُس کا ہر ستم سہنا پڑے گا

بہت بے چین کرتی ہے اُداسی
سو اُس سے رابطہ کرنا پڑے گا

چھپا کر درد کو سینے میں تنہا
بھرم اُس کا بھی کچھ رکھنا پڑے گا
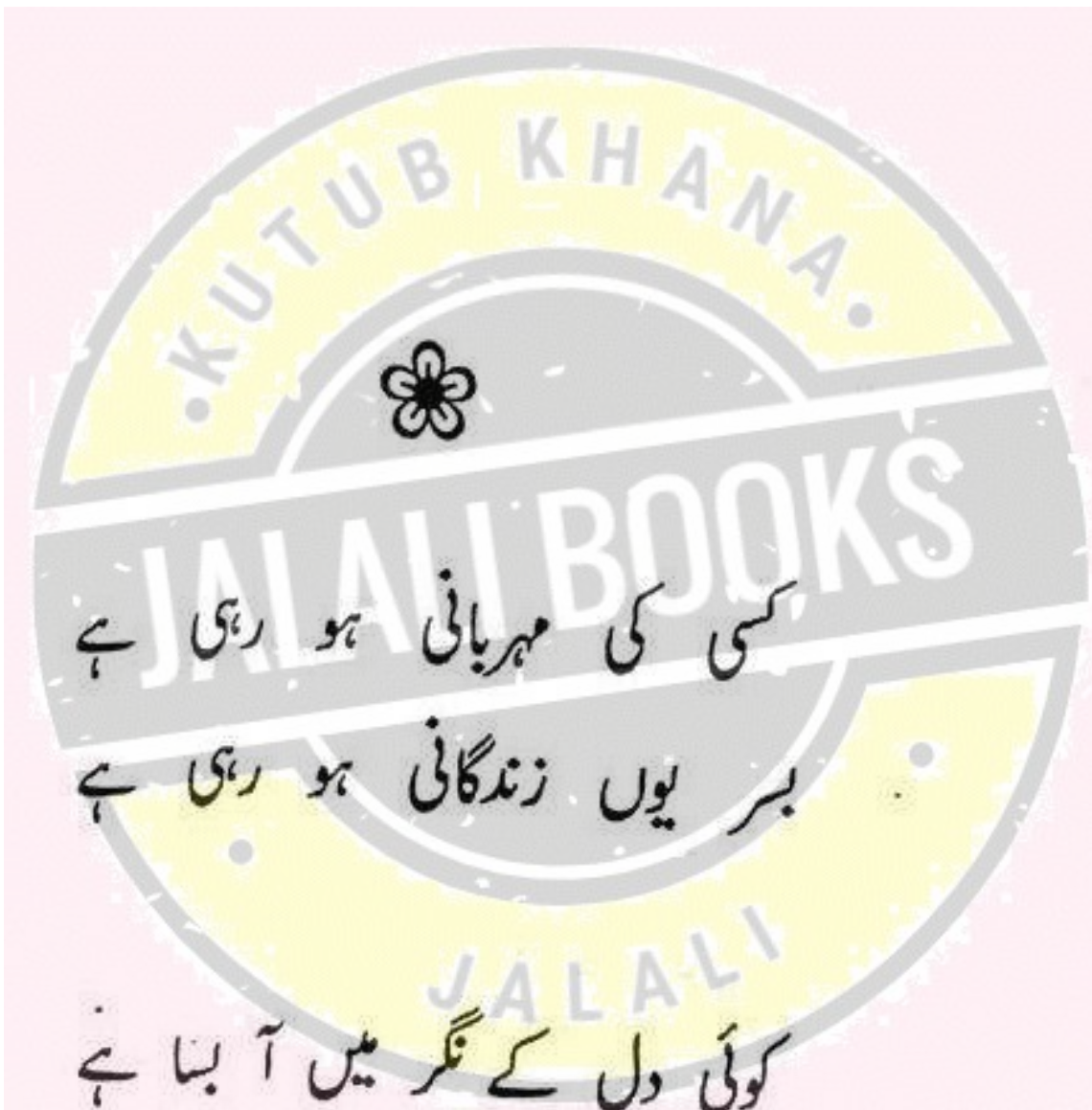
کسی کی مہربانی ہو رہی ہے
بسر یوں زندگانی ہو رہی ہے

کوئی دل کے نگر میں آ بسا ہے
مری دُنیا سہانی ہو رہی ہے

بہت ملنے لگے ہو ہر کسی سے
دلوں پر حکمرانی ہو رہی ہے

یہ دل ہے شہر کے لوگوں سے خائف
زبوں اپنی جوانی ہو رہی ہے

کوئی تازہ لگاؤ زخم دل پر
پُرانی یہ نشانی ہو رہی ہے

❀
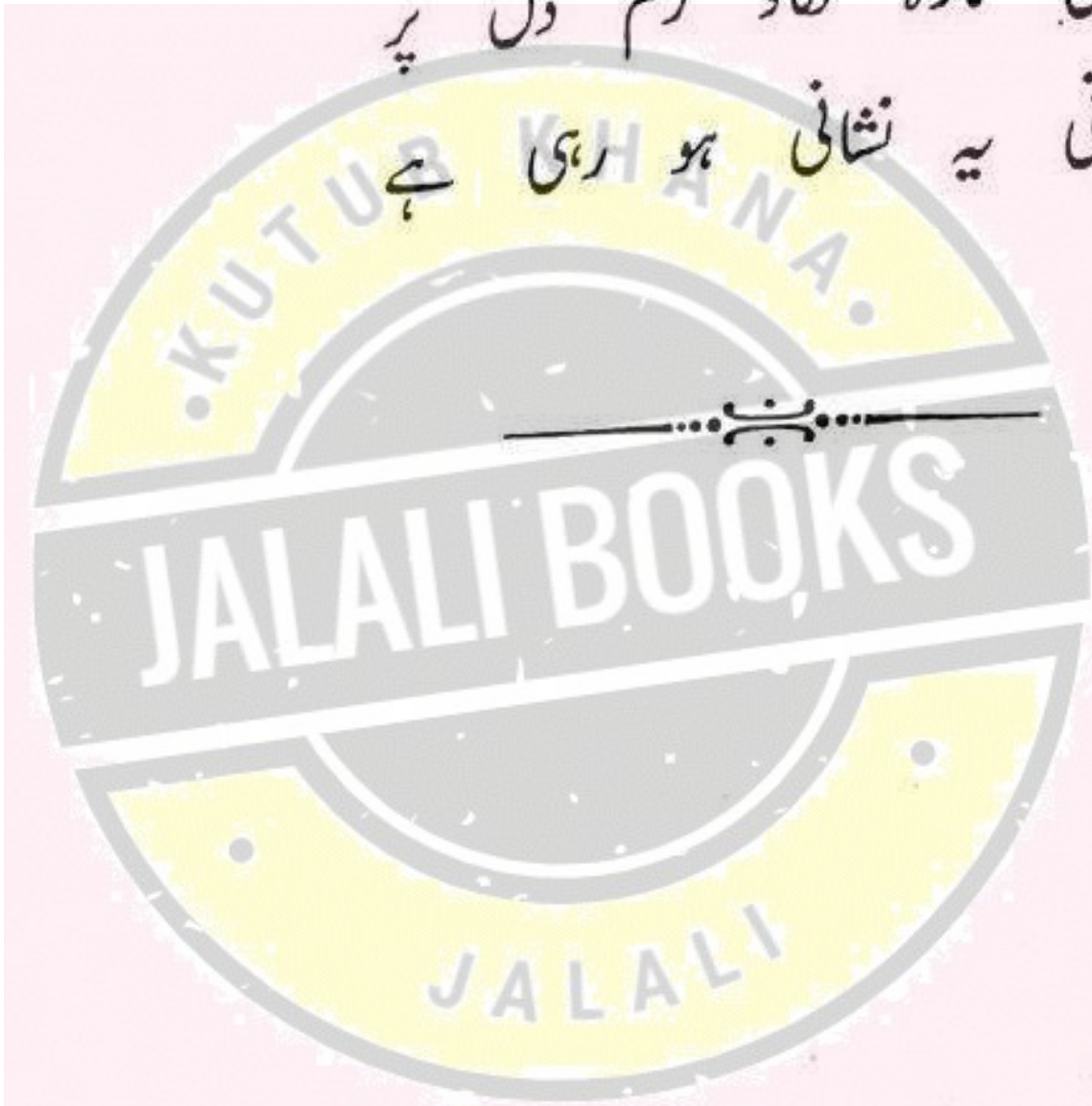
میری آنکھوں کو خواب کیا دے گا
وہ مجھے انتخاب کیا دے گا

منصفِ وقت تُو بتا مجھ کو
میرے حق میں جواب کیا دے گا

دے گا ہر پل اذیتیں مجھ کو
یہ زمانہ خراب کیا دے گا

محفلوں کی تو جان ہے ساقی
حشر کے دن حساب کیا دے گا

وحشتِ غربت میں مجھ کو چھوڑ گیا
اب وہ مجھ کو عذاب کیا دے گا

کوئی مقصد جہان میں ہم کو
جادۂ انقلاب کیا دے گا

❀

کوئی بھی معتبر ملتا نہیں ہے
اک اچھا ہم سفر ملتا نہیں ہے

کہاں رہتا ہے اور ملتا ہے کس سے
ہمیں تو اپنے گھر ملتا نہیں ہے

مسیحائی کا ہو اعجاز جس میں
کہیں وہ چارہ گر ملتا نہیں ہے

نہ برسے ابرِ نیساں تو صدف میں
گراں مایہ گہر ملتا نہیں ہے

سفر میں سائباں بن جائے تنہا
کہیں ایسا شجر ملتا نہیں ہے
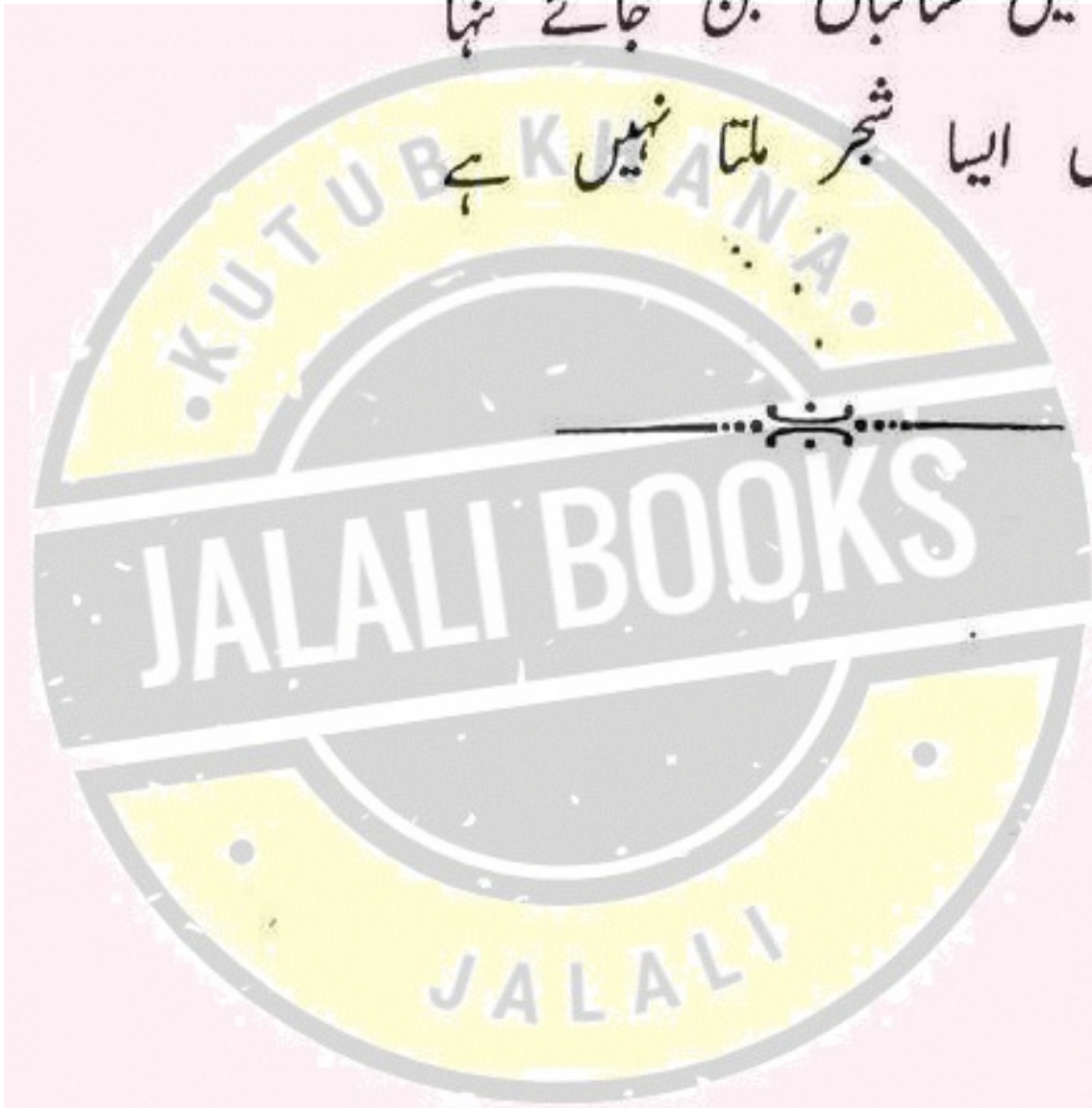
یہ تماشا سرِ بازار نہیں ہو سکتا

ہر کوئی میرا خریدار نہیں ہو سکتا

یہ الگ بات مہذب ہو زمانے بھر میں

ہر بشر صاحبِ دستار نہیں ہو سکتا

اُس پہ الزام تراشی بھی نہ کی جائے کوئی

وہ مرا یار ہے غدار نہیں ہو سکتا

کوئی جب مسکرا کر بولتا ہے
مرے دل کا کبوتر بولتا ہے

غرض ہی کیا ہے تم کو میرے دکھ سے
کہ تیرا تو مقدر بولتا ہے

امیرِ شہر سے خائف نہ ہونا
یہاں اب ہر سخنور بولتا ہے

مجھے شرمندگی ہے مفلسی میں
مرے در پر گداگر بولتا ہے

یقیناً میں اُسے پہچانتا ہوں
پسِ پردہ جو اکثر بولتا ہے

بہت خاموش رہتا ہے جو تنہا
وہ محفل میں برابر بولتا ہے

❀

شیشۂ دل اُجال کر دیکھیں
ہم بھی کوئی کمال کر دیکھیں

جس کو رکھا عزیزِ جاں، اس کو
آج دل سے نکال کر دیکھیں

کوئی کتنا ہے آپ سے مخلص
بوجھ کوئی تو ڈال کر دیکھیں

دُکھ سے شاید نجات مل جائے
آج اُن سے وصال کر دیکھیں

اُس پری وش سے آج برسوں بعد
رابطے پھر بحال کر دیکھیں

وہ سخی ہے تو اُس کی چوکھٹ پر
دلبری کا سوال کر دیکھیں
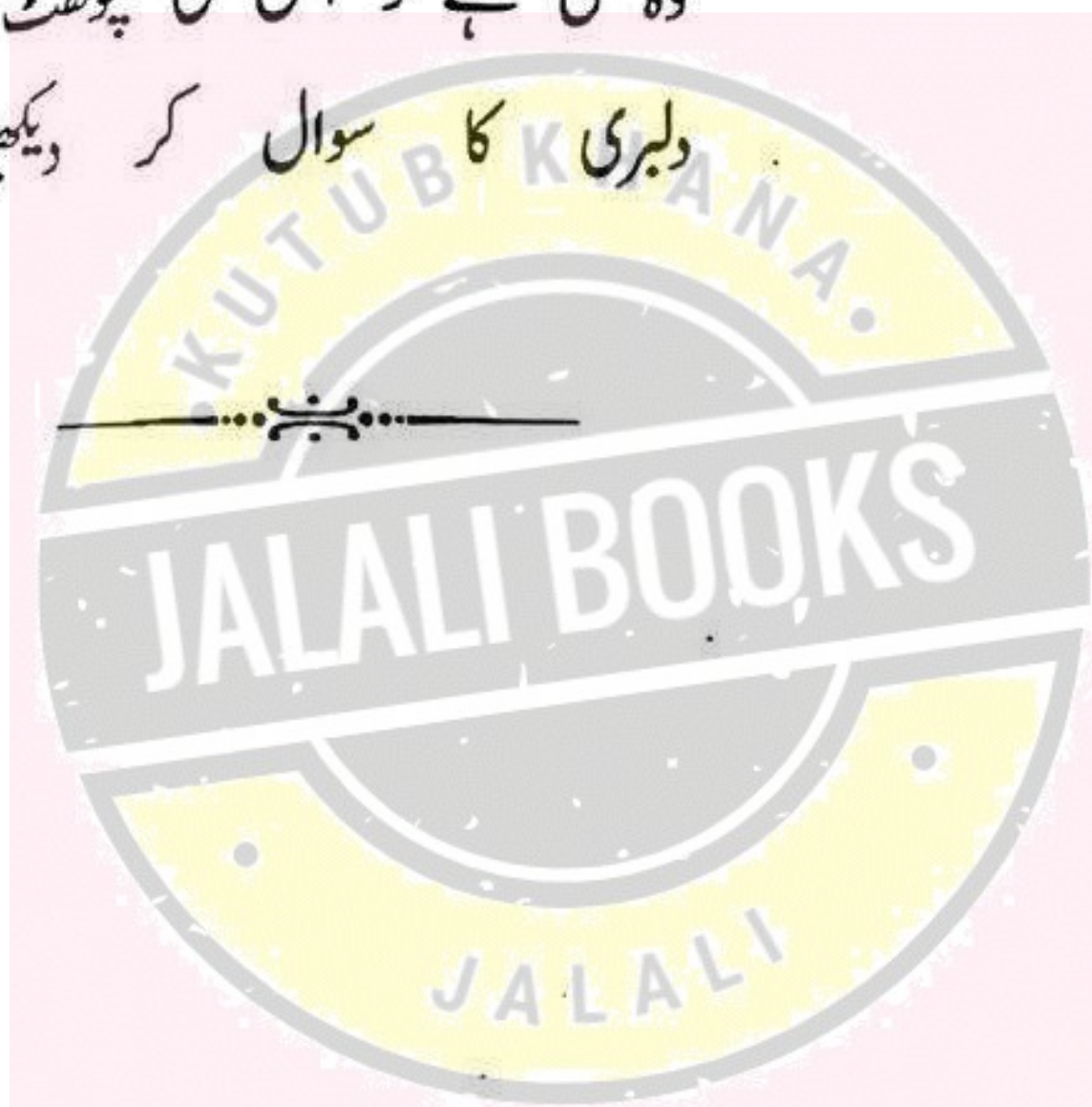
رہا سفر میں تو اکثر اُداس کر دے گا
اُسے بھی شام کا منظر اُداس کر دے گا

مجھے یقیں ہے کہ اک روز لازماً تم کو
وہ اپنے عہد سے ہٹ کر اُداس کر دے گا

جو تیرے نام کے صدقے میں مجھ سے مانگے گا
گلی میں ایسا گداگر اُداس کر دے گا

ابھی تو وقت ہے اس کے نہ تم قریب رہو
تمھیں، تمھارا سخنور اُداس کر دے گا

اک اجنبی پہ جو تم اعتماد کرتے ہو
تمھیں کہیں نہ کہیں پر اُداس کر دے گا

مجھے پتہ ہے کہ ملحد ہے، شہرِ حسرت سے
چلا گیا تو یہ کافر اُداس کر دے گا

چاہتوں کو جو عام کرنا ہے
زندگی کو سلام کرنا ہے

چھوڑ دیں گے سحر سے پہلے، نگر
صرف اِمشب قیام کرنا ہے

سوچیے مت کہ ہم فقیروں نے
رہ رووں کو سلام کرنا ہے

تیرے لیے میں حاصلِ تقصیر ہو گیا
یہ ربط تھا تو باعثِ تشہیر ہو گیا
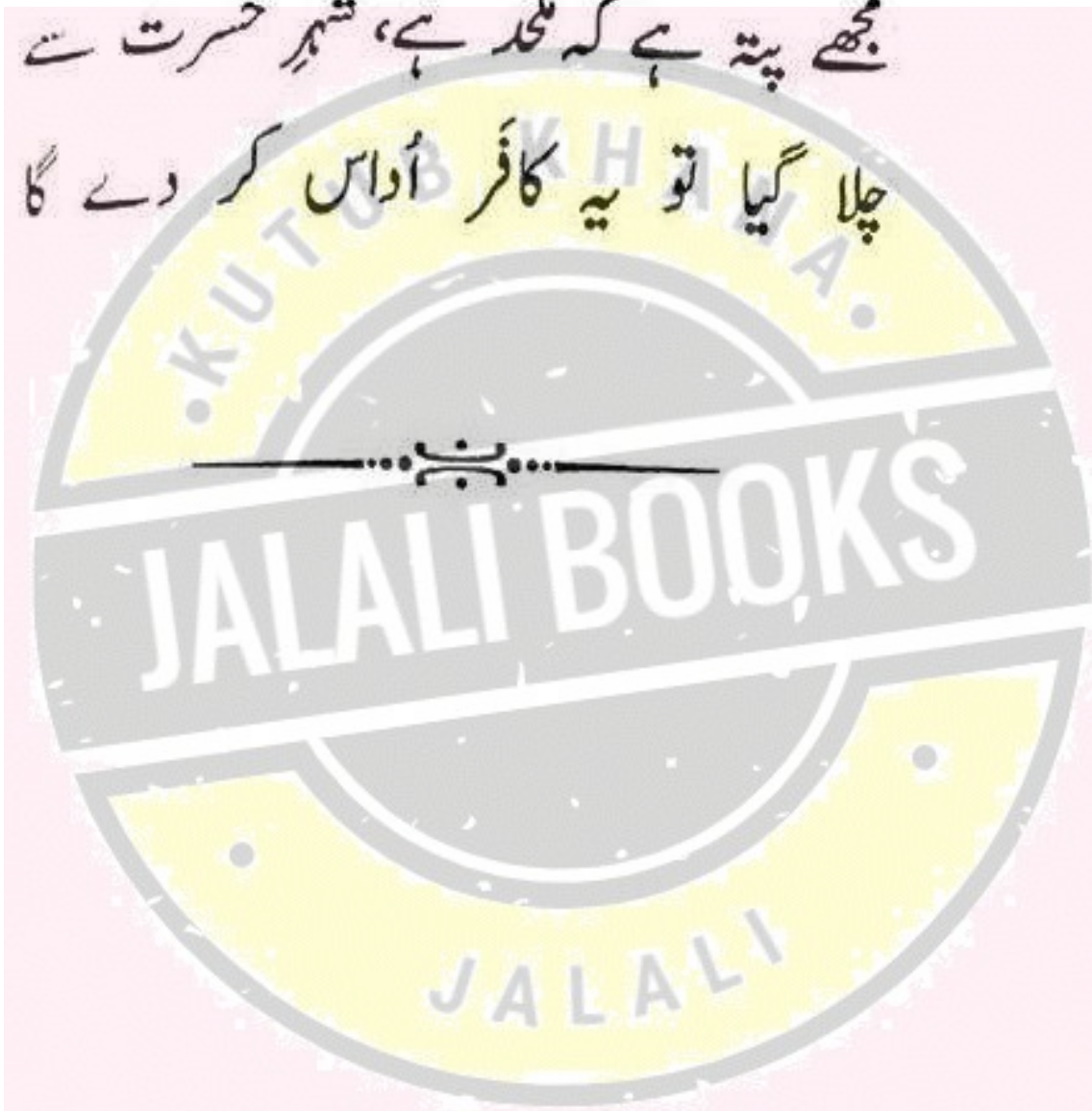
کب تک نجانے ساتھ نبھائے گا دوستو
اک مہرباں جو خواب کی تعبیر ہو گیا

اُس وقت دشمنوں کو ملی تھی مری خبر
مُخبر مرے پڑاؤ کا جب 'ویر' ہو گیا

تجھ سے تعلقات تھے، سو جس طرح کے بھی تھے
یہ روگ تھا جو حلقۂ زنجیر ہو گیا

بخشی ہے اُس نے مجھ کو جوانی کی سلطنت
لو آج میں بھی صاحبِ جاگیر ہو گیا
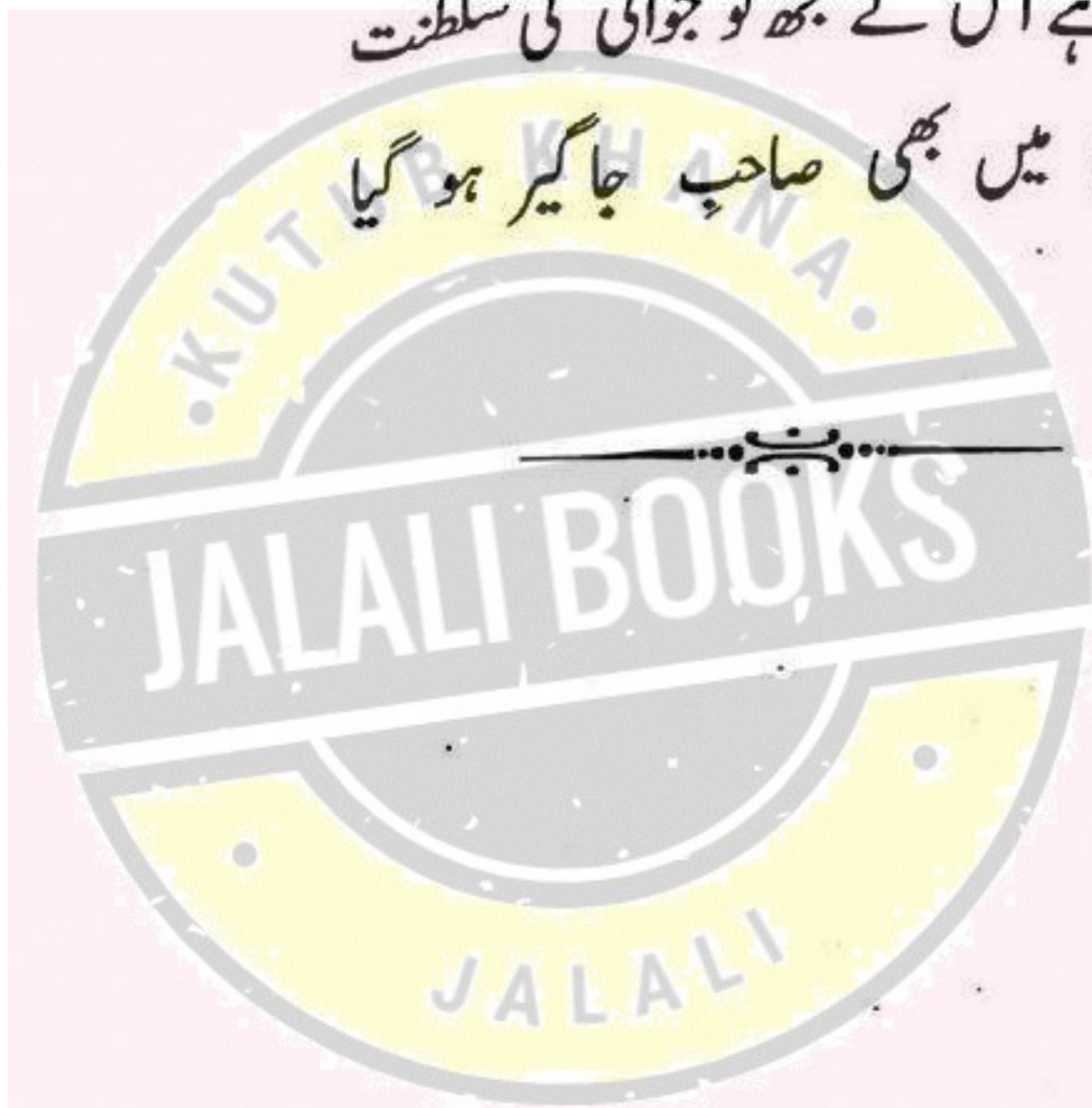
یاد آتے ہیں خواب ماضی کے
کیوں ستاتے ہیں خواب ماضی کے

دلِ مضطر کو زیر کرتے ہیں
تن جلاتے ہیں خواب ماضی کے

لاکھ دیکھا ہے بے خبر ہو کر
پھر بُلاتے ہیں خواب ماضی کے

کتنے دل کے قریب بستے ہیں
دُور جاتے ہیں خواب ماضی کے

میری سوچوں کو کر کے بے مقصد
نت رُلاتے ہیں خواب ماضی کے

جب بھی تنہا میں سوچتا ہوں کبھی
گنگناتے ہیں خواب ماضی کے
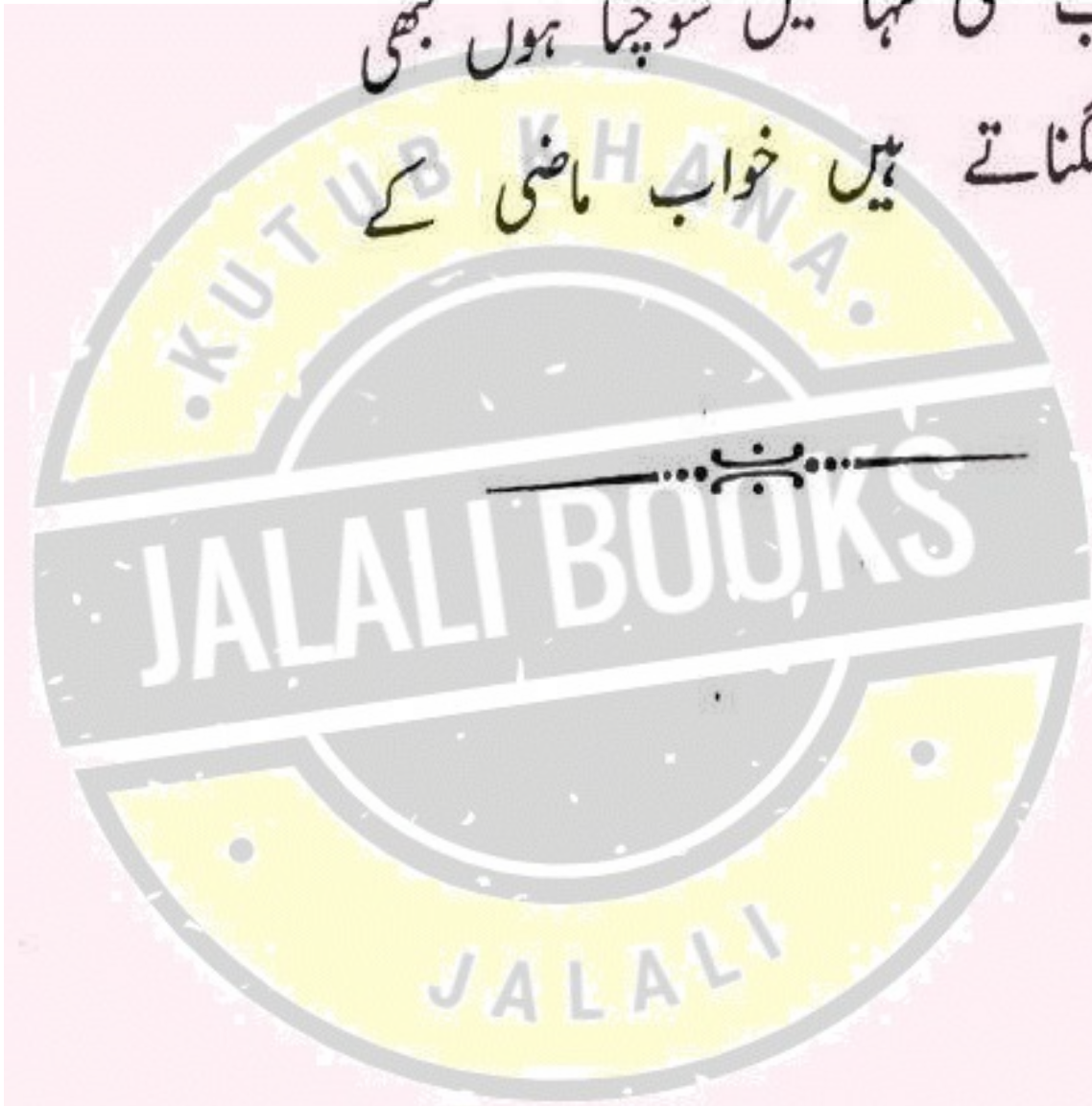
تری جانب سے دُکھ پہنچا ہوا ہے
اِسی باعث یہ دل سہما ہوا ہے

ہماری آرزوؤں، خواہشوں کا
سمندر دُور تک پھیلا ہوا ہے

کبھی تجھ سے، کبھی غیروں سے ملنا
عجب اک سلسلہ جوڑا ہوا ہے

بہت اُڑتے ہوئے یہ تھک چکا تھا
پرندہ شاخ پہ بیٹھا ہوا ہے

سنو کوئی غزل اِس ناتواں سے
یہ تنہا کس لیے آیا ہوا ہے

نذرِ ناصر کاظمی

ہر پل ہی روتا رہتا ہے
ہرجائی کو روگ بڑا ہے

میرا تن من جل جائے گا
دل سودائی چیخ رہا ہے

لمحہ ، لمحہ اُکھڑیں سانسیں
دکھ یہ کیسا آن پڑا ہے

بند تھا میرے دل کا کمرہ
پھر بھی اُس نے جھانک لیا ہے

نخوت ، مطلب ، جھوٹ ، عداوت
اب لوگوں میں کیا رکھا ہے

برسوں جس کا ساتھ دیا تھا
مجھ سے وہ انجان بنا ہے

چپ چپ سا رہتا ہے، اُس کو
جانے کیسا روگ لگا ہے

اِک تجھ سے ملنے کی خاطر
سارا دن وہ گھر رہتا ہے

تیری خاطر ہی تو ہم نے
ہر رستہ ہموار کیا ہے

میری ہر خواہش ٹھکرا کر
آخر اُس کو کیا ملتا ہے

جنگل میں جو سناٹا تھا
شہر کی جانب آ نکلا ہے

من کے اندر ڈوب گیا ہوں
تنہائی کا ساتھ دیا ہے

جس کو محفل راس نہ آئی
سب کو وہ تنہا لگتا ہے

یوں بھی کب اُس سے رابطہ نکلا
وہ تو اچھا تھا میں بُرا نکلا

جاں کی مانند جس کو چاہا تھا
دوست لیکن وہ غیر کا نکلا

جس پہ تن من لٹا دیا ہم
دوستی میں وہ بے وفا نکلا

قافلے رہ میں لُوٹنے والا
راہ زن ایک رہ نما نکلا

جاں چھڑکتا تھا جو مرے دم پر
نام سے بھی وہ اب خفا نکلا

یونہی شکوہ ہے مجھ کو دریا سے
میرا دشمن تو ناخُدا نکلا

جس کے دم سے تھیں رونقیں، تنہا
آج محفل سے دور جا نکلا

بے نواؤں سے مت کنارا کر
ہم گداؤں سے مت کنارا کر

کشتیاں ڈوبِ ہی نہ جائیں کہیں
ناخُداؤں سے مت کنارا کر

کر تکبّر بھی حسن پر، لیکن
آشناؤں سے مت کنارا کر

جو تجھے بارہا بلاتی ہیں
اُن صداؤں سے مت کنارا کر

شعر گوئی کا ہے بھرم ان سے
گل قباؤں سے مت کنارا کر

شہر میں رونقیں سہی، تنہا
اپنے گاؤں سے مت کنارا کر
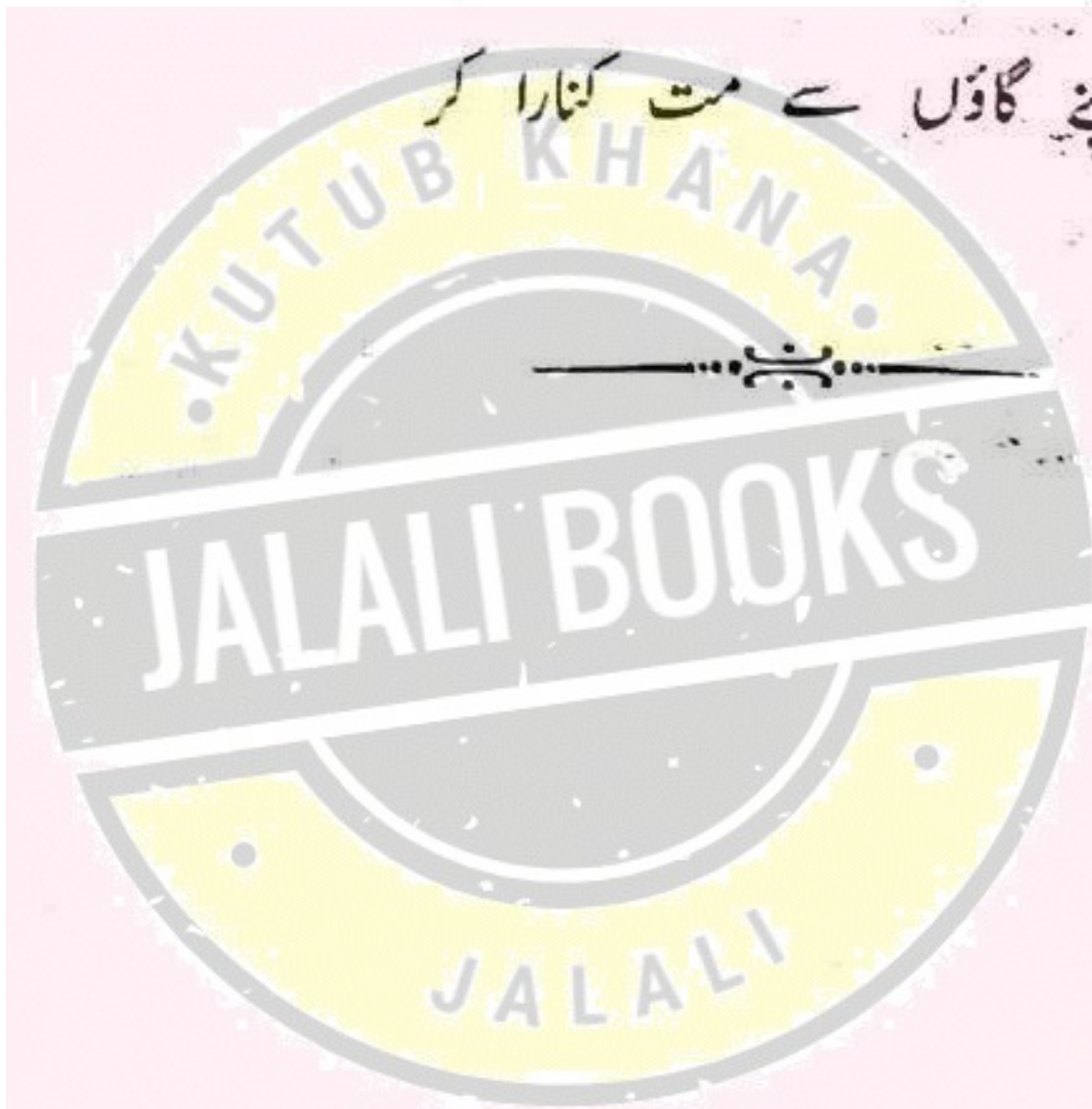
فردیات

ہے میرے گرد گرچہ اندھیروں کا اک [illegible]

پھر بھی ہے دل میں روشنی تیری [illegible]

❀❀❀

حضرتِ شیخ کی معیت میں

آؤ! کچھ دیر شغلِ بادہ کریں

❀❀❀

بزمِ یاراں میں بیٹھتا ہوں، مگر

میری جانب حریف دیکھتے ہیں

❀❀❀

مرے احباب میرے دشمنوں کو

مرے گھر کی خبر کرنے لگے ہیں

❀❀❀

کبھی تو میں بھی کسی کے دل میں بسا ہوا تھا
جو آج دل میں ملال آیا تو یاد آیا

❀❀❀

دردِ دل کو میں لے کر کہاں جاؤں گا
کام یہ بھی تو اب میرے بس کا نہیں

❀❀❀

کس قدر خاص ہوگیا ہے وہ
کس قدر عام ہو گیا ہوں میں

❀❀❀

حاکمِ وقت کی مشیّت سے
سب یہاں کاروبار ہوتا ہے

❀❀❀

بیٹھ کے گھر میں اب تنہا
نام تمھارا جپنا ہے

❀❀❀
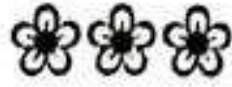
زمانہ اپنی تشبیہیں تراشے
مگر میں استعارے پر کھڑا ہوں

❀❀❀

اُلجھے رہتے ہیں آپس میں
میرا دامن تیرے کانٹے

❀❀❀
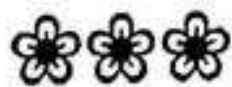
بس اک تُجھے نہیں سوچنا ہے
مجھے اور بھی کئی کام ہیں

❀❀❀

حسرت، فراق، رنج و الم، اشک، بے بسی
سوغات چاہتوں کی لیے جا رہا ہوں میں

❀❀❀

میں جانتا ہوں زمانے کی بے نیازی کو
مجھے پتا ہے سفر میں کہاں ٹھہرنا ہے

❀❀❀

پڑاؤ تھا مرا بستی کے آس پاس کہیں
میں اپنا خواب سناتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں

❀❀❀

جرم میرے ہیں مری فردِ عمل میں مجرم
وہ مرا کاتبِ تقدیر نہیں ہو سکتا
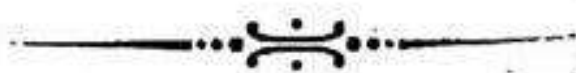
مطلع در مطلع

عشق میں جینا بھی ہے مرنا بھی ہے
کام مشکل ہے مگر کرنا بھی ہے

❀❀❀

تمھی بتاؤ! کہانی کو موڑ کیا دوں میں
معاف کس کو کروں، کسے سزا دوں میں

❀❀❀

جہاں بھی دیکھا اُنھیں دوستو! سلام کیا
ہمیشہ ہم نے حسینوں کا احترام کیا

❀❀❀

چھیڑ مت ہم شکستہ حالوں کو
ہم سمجھتے ہیں تیری چالوں کو

❀❀❀

جیت ہوتی ہے مات ہوتی ہے
مستقل اُس سے بات ہوتی ہے

❀❀❀

تعلق تم سے جب تک ہے
مخالف دہر تب تک ہے

جدید شاعری کا شہباز قلندر

عصری ادب میں جعلی تخلیق کاروں کے باعث تباہ کن نظریات استوار کیے جا رہے ہیں۔ نت نئی دو نمبر ادبی فیکٹریوں میں نئی نئی اصناف سخن کی ایجاد سے سنجیدہ ادب کے قارئین دلبرداشتہ ہو کر کتاب سے اپنا ناطہ توڑ بیٹھے ہیں۔ روز بروز لاتعداد کتابیں چھپ کر مارکیٹ میں شرینی کی طرح مفت تقسیم کی جا رہی ہیں۔ ایسے حالات میں مسعود تنہا جیسے اور بجنل شاعر کا ہونا غنیمت ہے۔ مسعود تنہا عصری ادبی تقاضوں کا بھرپور ادراک رکھتا ہے۔ اپنے وسیع اور رفیع مطالعہ، مشاہدات، تجربات اور خیالات کے باعث دوسروں سے منفرد مقام بنانے میں کامیاب نظر آتا ہے۔

مسعود تنہا شعری پرواز کے خواہشمندوں میں جدید شاعری کا شہباز قلندر ہے جو نئے آسمانوں کی طرف پرواز کر رہا ہے۔ جس کی پرواز سب سے بلند ہے۔ قلیل اور مختصر عرصہ میں اپنا آپ منوانا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ چشمِ معنی آشنا اور صاحبانِ بصیرت مسعود تنہا کو دریافت کر کے ہی دم لیں گے۔

مسعود تنہا کا شعری اسلوب متاثر کن ہے۔ شعریت، نغمگی اور معنویت کے اعتبار سے ہر مصرعہ مضبوط، پائیدار اور مترنم ہے۔ غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ غزل کے اشعار میں کہیں درس ہے کہیں پند و نصیحت ہے کہیں پیغام تو کہیں محبوب کے چشم و ابرو اور لب و رخسار کے تذکرے۔ ''دل لہو سے بھر گیا'' کی شاعری پختہ کاری کی آئینہ دار ہے مسعود تنہا سچے اور سچل شاعر ہیں۔ وہ جدید لب و لہجہ کے دلدادہ عصری آگہی کے متلاشی اور نئی روشنیوں کی کھوج میں ہمہ وقت سرگرداں نظر آتے ہیں

مسعود تنہا زندگی کے ظاہر و باطن اور سماج کے تلخ و شیریں حقائق کو ہمارے سامنے تصویروں کی شکل میں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

اسد اعوان

ساہیوال ضلع سرگودھا

مقبولِ عام شاعری کا نمائندہ

اک نظر ہے ترے تعاقب میں
اک نظر ہے مری زمانے پر

مندرجہ بالا ایک ایسا شعر ہے جو شاعر کے ادبی سراپے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ لفظوں سے کھیلنے کا اب تو رواج ہی چل پڑا ہے جو کسی بھی شعبے میں کامیاب نہیں ہو پاتا اور الفاظ نگر میں پناہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ مگر الفاظ کے سائے انہی پر سایہ فگن ہوتے ہیں جو الفاظ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔

محترم مسعود تنہا صاحب ایک ایسے ہی سخن شناس، سخن ور ہیں مجھے ان کا ادبی مستقبل بہت تابناک دکھائی دیتا ہے۔ ان کے پہلے شعری مجموعہ کا مسودہ مجھے محترمہ فوزیہ مغل کی وساطت سے پڑھنے کو ملا جسے چیدہ چیدہ پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان کے کلام میں وہ سب خوبیاں موجود ہیں جو ان کے ادبی سفر کو محفوظ بنانے میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ وہی شاعری مقبولِ عام کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے جس میں شاعر اپنے خونِ جگر کی آمیزش شامل کرتا ہے۔ تنہا صاحب کے اشعار میں خونِ جگر پاشی کی تاثیر کے ساتھ جذبات و احساسات کی تمام پرتیں نمایاں نظر آتی ہیں اور یہی پرتیں ان کے ادبی سفر میں مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔ تنہا صاحب روزمرہ کے غیر اہم واقعات کو بھی کمال ہنرمندی سے اہم ترین واقع میں بدلنے کا ہنر رکھتے ہیں۔ جبھی تو کہتے ہیں۔

سوچیے مت کہ ہم فقیروں نے
رہ رووں کو سلام کرنا ہے

افروز عالم

مدیر ''نشاط''

جنرل سیکرٹری اربابِ فکر و فن، کویت

توانا اور تازہ دم شاعر

چند ہفتے قبل محترم مسعود تنہا صاحب کے پہلا شعری مجموعہ [illegible]
ایک میل سے موصول ہوا ساتھ خط بھی جس میں کلام کو پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات [illegible]
لکھا تھا۔ وطن سے دور جا کر بندہ معاشی مسائل پر تو کسی حد تک قابو پا لیتا ہے مگر [illegible]
پیش آجاتے ہیں۔ ان مسائل میں گھری زندگی کا اہم مسئلہ وقت کی تنگی [illegible]
مجھے کئی روز کے بعد جب مسعود تنہا کی شاعری پڑھنے کا موقع ملا تو ایسا محسوس ہوا کہ میں سات
سمندر پار نہیں بلکہ اپنے پیارے وطن کے کوچہ و بازار میں پھر رہا ہوں۔

تنہا صاحب کی شاعری کی بدولت پل میں سالوں کی مسافت سمٹ گئی۔ تنہا صاحب کے کلام
کا بنیادی وصف اپنے اردگرد کے معاشی، سماجی، سیاسی و ثقافتی ماحول کی بھرپور عکاسی ہے۔ ایسا
اسلوب وہی اپنا سکتا ہے جس کی جڑیں اپنی زمین میں گہری پیوست ہوں اور جس کا رشتہ اپنے
اردگرد بسنے والوں سے مضبوط ہو۔

تنہا صاحب کی شاعری میں گہرائی کے ساتھ توانائی اور تازگی بھی ہے۔ ان کا اسلوب بیان
نہایت سادہ اور عام فہم ہے جو قاری کو کسی بھی الجھن کا شکار نہیں کرتا ایسی تازہ دم شاعری بہت جلد
اپنا آپ منوا لیتی ہے۔

اسحاق ساجد

مدیر "سمندر" انٹرنیشنل (جرمنی)

Dil Lahoo Se Bhar Gya

اک نظر ہے ترے تعاقب میں
اک نظر ہے مری زمانے پر

مرے احباب میرے دشمنوں کو
مرے گھر کی خبر کرنے لگے ہیں

قافلے رہ میں لوٹنے والا
راہ زن ایک رہ نما نکلا

میں جانتا ہوں زمانے کی بے نیازی کو
مجھے بتا ہے سفر میں کہاں ٹھہرنا ہے

بھول بیٹھے ہو جسے تم وہ تمھیں بھولا نہیں
یہ مرا پیغام دینا نامہ بر مت بھولنا

MUGHAL PUBLISHING HOUSE LAHORE
CELL. 0092 3004683760
E mail fozia_mughal22@yahoo.com